تنوير الحاوي

في تذكرة

الإمام أبي جعفر الطحاوي

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمن اعظمی مدظلہ العالی

ناشر

ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ 9362

آزادول 1750، جنوبی افریقہ

ZAM ZAM PUBLISHERS

زمزم پبلشرز

تنویر الحاوی

فی تذکرۃ

الإمام أبي جعفر الطحاوي

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمن اعظمی مدظلہ العالی

آزادول، جنوبی افریقہ

زمزم پبلشرز

ناشر

ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ 9362

آزادول 1750، جنوبی افریقہ

حقوق طبع محفوظ برائے ناشر

کتاب کا نام: تنویر الحاوی لتذکرۃ الامام ابی جعفر الطحاوی

تصنیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمن اعظمی مدظلہ العالی، آزادول

ناشر: ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ، ۹۳۶۲، آزادول، ۱۷۵۰ جنوبی افریقہ

TEL / FAX +27 11 413 3634 Cel : +27 8329 78648

تاریخ طباعت: ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ، جولائی ۲۰۲۰ء

طباعت: سوم

Printed By:

Zam Zam Publishers

Urdu Bazar Karachi-Pakistan.

: zamzampublisher@gmail.com
: www.zamzampublishers.com.pk
: www.facebook.com/zamzampublisher
: www.twitter.com/zamzampublisher

For Domestic Related Queries:
+92-302-8478551 +92-21-32729089
For Export Related Queries:
+92-302-8478552 +92-21-32721817

ملنے کے پتے

Idarah dawatul haq trust ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ

cnr Jackaranda & sunflwer st. Azaadville South Africa ۲۱۵

TEL / FAX: + 27 11 413 3634 Cel :(+ 27 8329 78648)

E . mail : zahir@dawatulhaq.org.za

ادارہ احیاء سنت

Azaadville 1750 South Africa 9362

TEL / FAX : + 27 11 413 2661 Cel : - 27 65867 4237

(دار النشر الاسلامیہ ڈربن)

Daarun Nashril Islaamiyyah 40084 Redhill 4071 S Africa

Tel. + 2782 213 7250 (dnipublications@gmail. com

احیاء السنہ (بولٹن برطانیہ)

IUS, 140 BLACKBURN ROAD, BOLTON. BL 1 8DR.

GREATER MANCHESTER

Tel. + 44 120 438 8864 Cel +44 783 323 0540

E MAIL : ihyaa_us_sunnah@rocketmail.com

فہرست مضامین

تنویر الحاوی

مؤلف مدظلہ کے مختصر حالات ۶
تقریظ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ تعالی ۸
تقریظ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمہ اللہ تعالی ۱۰
پیش لفظ از مؤلف ۱۳
ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی (صاحب شرح معانی الآثار) ۱۴
نام ونسب، طحاوی کی نسبت ۱۴
ولادت، وفات ۱۵
امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی اور مؤلفین ستہ رحمہم اللہ تعالی باعتبار زمانہ ۱۶
طحاوی کے زمانہ میں مصر کی علمی حالت ۱۸
امام مالک رحمہ اللہ تعالی کی فقہ کا اثر ۱۸
امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کی فقہ کا اثر ۱۹
مصر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی فقہ کا اثر ۱۹

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے طلب علم کی ابتداء ۲۲
امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال مذہب کی روایات ۲۳
دیگر روایات کا جائزہ ۲۳
حافظ ابن حجر اور امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۶
حافظ ابن حجر کے کلام سے عبرتیں ۲۹
امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحلت علمیہ اور ان کے مشائخ ۳۵
تعداد مشائخ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۶
امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ ۳۷
امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وسعت معلومات اور معاصرین پر فوقیت ۳۸
وسعت معلومات کا اثر ان کی تالیفات میں ۴۰
فقہ واجتہاد میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام ۴۲
ابن کمال پاشا کی تقسیم پر اعتراض ۴۳
امام طحاوی کی شان عالی میں علماء امت کے تعریفی کلمات ۴۶
امام طحاوی اور جرح وتعدیل ۴۸
امام طحاوی پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۵۱
امام بیہقی کا کلام اور اس کا جواب ۵۱
علامہ ابن تیمیہ کا کلام اور اس کا جواب ۵۴
استاذ عبد القادر تمیمی کا اعتراض اور اس کا جواب ۶۱

تالیفات امام طحاوی ۶۴
عقیدۃ الطحاوی اور اس کی ایک مطبوع شرح ۷۱
دوسری مطبوع شروح ۷۲
کوثری کی درخواست ۷۶
عوالی طحاوی ۷۷
مقام شرح معانی الآثار للطحاوی اور اس کی خصوصیات ۷۷
طحاوی شریف کے حواشی و شروح اور تذکرہ رجال و تلخیصات و تصحیحات ۸۴
کچھ جدید معلومات ۸۶
مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار ۸۷
نخب الأفکار فی تنقیح مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار ۸۷
رجال طحاوی ۹۰
تلخیصات ۹۲
الحاوی علی مشکلات الطحاوی ۹۳
تصحیح الأغلاط الکتابیه الواقعة فی النسخ الطحاویة ۹۳
شرح معانی الآثار کے امام طحاوی سی روایت کرنے والے ۹۴
امام طحاوی تک ہماری سند ۹۵
خاص طحاوی کیلئے شاہ صاحب کی سند ۹۵

مؤلف مدظلہ کے مختصر حالات

ولادت و تعلیم:

ولادت ۱۳۶۶ھ کو مئو میں ہوئی، ابتدا سے اخیر تک تعلیم مئو ہی میں ہوئی اور ۱۳۸۶ھ میں مفتاح العلوم مئو سے فراغت حاصل کی، بعد فراغت مختلف کتابیں پڑھیں، قرأت سبعہ بھی، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں رہ کر فتاوی کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور افتاء کی مشق کی، مشہور اساتذہ میں محدث اعظمی رحمہ اللہ تعالی، مولانا عبد اللطیف رحمہ اللہ تعالی اور مولانا عبد الرشید رحمہ اللہ تعالی وغیر ہم ہیں۔

تدریس و خدمات:

تین چار سال کے بعد مظہر العلوم بنارس یوپی میں تدریس شروع کی، مختلف کتابیں پڑھائیں جن میں مشکوۃ و ترمذی بھی ہیں، وہاں فتاوی نویسی کی خدمت بھی انجام دی، چار سال وہاں قیام رہا۔

پھر ۱۳۹۴ھ میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک گجرات تشریف لے گئے اور وہاں اکثر درسیات زیر تدریس رہیں، اخیر میں مشکوۃ، جلالین، طحاوی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ بھی پڑھائیں، وہیں تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل بھی مرتب فرمائی جو طبع ہو چکی ہے، ۱۴۰۳ھ میں قراءت سبعہ عشرہ بھی پڑھائی اور مقدمہ

علم قراءت بھی مرتب فرمایا، جس میں قراء عشرہ اور ان کے رواۃ کا تذکرہ بھی ہے۔

۱۴۰۶ھ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ تشریف لائے۔

۱۴۰۸ھ سے شیخ الحدیث ہوئے اور بفضل اللہ مختلف کتابیں بخاری، ترمذی، طحاوی زیر تدریس رہتی ہیں، متعنا اللہ بفیوضہ و برکاتہ۔

کئی کتابیں اور رسائل بھی آپ نے تالیف فرمائے، جو اب طبع ہو رہے ہیں بحمد اللہ تبلیغی خدمات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، مختلف بلاد اور مقامات کے اسفار بھی ہوتے رہتے ہیں، جیسے انگلینڈ، ہالینڈ، فرانس، استنبول، پناما، ٹرینڈاڈ، بارباڈوس، ارجن ٹینا، وینزویلا، امریکہ، کنیڈا، ازبکستان، سمرقند، و بخارا، موریشش، ری یونین، اور افریقہ کے دیگر ممالک، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی بار بار مشرف ہو رہے ہیں، حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ (رحمہ اللہ تعالی) (خلیفہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ تعالی) سے خلافت بھی ملی، بہت سے تلامذہ و مریدین اور خلفاء بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں، بفضل رحمانی دین کے تمام شعبوں: دعوت، تعلیم و تزکیہ میں محنت فرما رہے ہیں، اللہ تعالی علم و عمل اور عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

عتیق الرحمن الاعظمی

تقریظ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مد ظلہ العالی (رحمہ اللہ تعالی) [1]

محدث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أما بعد !

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی عبقری شخصیت کے مالک ہیں، وہ بیک وقت محدث کبیر، فقیہ جلیل اور متکلم شہیر ہیں، آپ (متوفی ۳۲۱ھ) واضعین علم کلام امام ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۲۴ھ) اور ابو منصور ماتریدی (متوفی ۳۳۳ھ) کے معاصر ہیں اور علم کلام میں آپ کا مرتب کردہ رسالہ (عقیدۃ الطحاوی) اہل السنۃ والجماعۃ کے تینوں مکاتبِ فکر اشاعرہ، ماتریدیہ اور سلفیہ (جن کا دوسرا نام حنابلہ اور اصحاب الحدیث بھی ہے ظاہر یہ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں وہ مراد نہیں ہیں) یکساں طور پر مستند تسلیم کرتے ہیں، فقہ میں آپ امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے دو واسطہ سے شاگرد ہیں اور امام ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ تعالی (متوفی ۳۴۰ھ) کے ہم پلہ ہیں، آپ کی فقہی تصنیف مختصر الطحاوی ایک عظیم فقہی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور فن حدیث میں کتب ستہ کے مصنفین کے تقریباً ہم عصر ہیں، اس فن میں آپ کے دو عظیم کارنامے ہیں، جنکی نظیر پورے اسلامی کتب خانے میں نہیں ہے: ایک بیان مشکل الآثار ہے جس کا ایک ربع طبع ہوا ہے اور باقی کتاب ناپید ہے [2] اس کتاب کا موضوع قابل اعتراض روایات کی اس

---

[1] وفات ۲۵ / رمضان ۱۴۴۱ھ ۱۹ / مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل

[2] اب شیخ شعیب الارناؤط کی تحقیق سے جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے پوری طبع ہوگئی ہے۔ ۱۲ فضل

طرح وضاحت کرنا ہے کہ اشکال باقی نہ رہے، دوسری کتاب شرح معاني الآثار المختلفة المروية عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في الأحكام ہے، جسکا موضوع نام سے ظاہر ہے، اس کتاب میں آپ نے منکرین حدیث سے لوہالیا ہے. انکا بڑا شبہ یہ ہے کہ احکام کی احادیث میں باہم تعارض ہے اور متعارض روایات دین میں کیسے حجت ہو سکتی ہیں؟ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے یہ کتاب لکھ کر ثابت کیا ہے کہ احکام کی احادیث میں کہیں تعارض نہیں ہے، بد دین لوگوں کو اپنی کوتاہ بینی سے تعارض نظر آتا ہے ورنہ حقیقت میں تمام حدیثیں باہم متوافق ہیں، یہ کتاب امت پر امام طحاوی کا بڑا احسان ہے اور امت نے بھی منت شناسی کا ثبوت اسطرح دیا ہے کہ اسکو آخری سال میں دورۂ حدیث شریف کی کتابوں میں شامل کرلیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی کے حالات پر ابھی مصر سے ایک بہت ہی مفید کتاب آئی ہے، اس کا نام أبو جعفر الطحاوي وأثره في الحديث ہے، مصنف کا نام عبد المجید محمود ہے اور قاہرہ سے طبع ہوئی ہے، یہ مفید اور مفصل کتاب ہے، اب اس موضوع پر مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی زید فضلہ نے قلم اٹھایا ہے، مولانا موصوف ایک جید عالم، بالغ نظر اور مقبول استاذ ہیں، آپ نے اپنے رسالے میں بہت اچھا مواد جمع کر دیا ہے، میں نے کتابت شدہ صفحات پر سرسری نظر ڈالی ہے، چھپنے کے بعد پورا استفادہ کروں گا، کتاب اور اس کے مضامین کی صحت کے لیے مولانا موصوف کا نام ہی ضمانت ہے، دعا کرتا ہوں اللہ تعالی اس کتاب کو قبول فرمائیں اور امت کو اس سے خوب فیض پہنچائیں، اور مولانا کی باقیات صالحات میں شامل فرمائیں، آمین۔

(کتبہ) سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیوبند

تقریظ

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ (رحمہ اللہ تعالی) [1]

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند یوپی

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام على رسوله محمد و على اٰله وصحبه أجمعين

عَنْ أَبِي مُوسَى،قَال قال رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَثَلُ مَابَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الهُدَى وَالعِلْمِ، كَمَثَلِ الغَيْثِ الكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْها نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ المَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الكَلَأَ وَالعُشْبَ الكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ المَاءَ ، فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ"، الى أخر الحديث. (مشکوۃ، صفحہ:۲۸ متفق علیہ)

ترجمہ: "حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ تعالی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھے جو علم وہدایت دے کے مبعوث کیا ہے اس کی مثال زمین پر ہونے والی زبردست بارش جیسی ہے کہ یہ بارش زمین کے اچھے حصے پر ہوتی ہے تو وہ پانی کو قبول کرتا ہے اور سبزہ نیز بہت زیادہ پیداوار اگاتا ہے اور زمین کا

---

[1] ولادت محرم ۱۳۵۹ھ ،مارچ ۱۹۴۰ء ، وفات ۲۳/ شعبان ۱۴۳۸ھ ۲۰ / مئی ۲۰۱۷ء - دیکھئے ماہنامہ دار العلوم دیوبند ،اگست، ستمبر ۲۰۱۷ء

دوسرا حصہ سخت ہوتا ہے تو وہ پانی کو روک لیتا ہے پھر اس سے خدا لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے (الخ)"۔ (بخاری و مسلم، بحوالہ مشکوۃ، صفحہ: ۲۸)

اہلِ علم و نظر نے پہلی مثال کا مصداق فقہاء و مجتہدین، علماء متقنین اور محققین وغیرہ کو قرار دیا ہے، اور دوسری مثال کا مصداق حفاظِ حدیث اور محدثین وغیرہ کو سمجھا گیا ہے، نیز یہ کہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کچھ افراد ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے علم کے دونوں میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، اور امت نے انہیں دونوں سعادتوں کا جامع قرار دیا، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی یقیناً ایسی ہی جامع کمال عبقری شخصیت کا نام ہے، گویا بعد کے دور میں جو علمی بہاریں آئیں اور متاخرین کے دامن علوم وافکار کے جواہر سے بھر گئے وہ سب ان ہی بزرگوں کی لگائی ہوئی پود کی برکات ہیں

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ متقدمین کی عرق ریزیوں اور جانکاہیوں سے استفادہ کو آسان کرنے کے لیے راہنما کتابوں کی ضرورت ہے تا کہ استفادہ کرنے والا یہ جان سکے کہ متقدمین کا پیش نہاد کیا تھا، اور ان کے مقاصد کو سمجھنے کے لیے ہمیں کس طرح آگے بڑھنا چاہیے، راہنما رسائل کی ترتیب کی سعادت بڑی حد تک حضرت مولانا فضل الرحمٰن اعظمی محدث جامعہ اسلامیہ آزادول (جنوبی افریقہ) کا قلم حاصل کر رہا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی جیسے جامع طرفین متقدمین کی علمی خدمات کے تعارف سے مستشرقین کی پیدا کردہ بہت سی غلط فہمیوں کی بھی تردید ہوتی ہے، مستشرقین کا خیال ہے کہ محدثین نے حدیث پاک کو جانچنے کے لیے جو معیار مقرر کیے ہیں وہ

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ
صاحب شرح معانی الآثار

نام و نسب:

احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ بن عبد الملک بن سلمۃ بن سلیم بن سلیمان بن جواب ازدی حجری مصری طحاوی حنفی،

کنیت:

ابو جعفر تھی ازدی اس لیے کہتے ہیں کہ یمن کے مشہور قبیلہ ازد سے ان کا نسبی تعلق تھا، حجری اس لیے کہتے ہیں کہ حجر اس قبیلے کی ایک شاخ ہے، یہ اسی شاخ کے ایک فرد تھے، ازد نام سے اور بھی قبیلے ہیں مثلاً ازد شنوءۃ اور ازد بن عمران بن عمرو ابن عامر، امام طحاوی جس قبیلہ ازد سے متعلق ہیں اس کو ازدِ حجر کہتے ہیں تا کہ دوسرے ازد سے ممتاز ہو جائے اور طحاوی کو ازدی کے بعد حجری بھی کہتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ازد حجر سے ان کا تعلق ہے، ازد شنوءۃ وغیرہ سے نہیں۔

طحاوی کی نسبت:

امام طحاوی طحا نامی ایک بستی کی طرف منسوب ہو کر طحاوی کہلاتے ہیں، جو مصر کا ایک گاؤں ہے، امام طحاوی اصل میں طحا سے قریب ایک چھوٹی سے بستی طحطوطہ کے تھے۔ لیکن اس کی طرف نسبت کر کے طحطوطی کہلانا پسند نہیں تھا اس لیے طحا کی طرف نسبت کر کے طحاوی کہے گئے، بعض کا خیال یہ ہے کہ طحیہ نامی بستی کی طرف یہ نسبت ہے۔ (از الحاوی للکوثری صفحہ: ۳۴، و مقدمہ امانی الاحبار، صفحہ: ۲۸، ۲۹)

ولادت:

ولادت کے بارے میں کئی اقوال ہیں، ان سب میں صحیح یہ ہے کہ امام طحاوی کی ولادت ۱۰/ ربیع الاول ۲۲۹ھ کو ہوئی، سمعانی نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کو ابو سعید بن یونس سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ امام طحاوی نے فرمایا کہ میں ۲۲۹ھ میں پیدا ہوا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے اس کو ابن خلکان نے وفیات الأعیان میں ذکر کیا ہے، اور ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اس کو اختیار کیا ہے

تیسرا قول یہ ہے کہ ۲۳۹ ھ میں پیدا ہوئے، اس کو حافظ ابن حجر، ابن بدران، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور امام سیوطی نے حسن المحاضرہ میں اختیار کیا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ ۲۳۷ ھ میں پیدا ہوئے، اس کو ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے، بہر حال قول اول صحیح ہے۔ (مقدمہ امانی، صفحہ ۲۹)

حکیم ایوب صاحب نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے، یعنی ۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ (مقدمہ طحاوی ملتانی، صفحہ:۹)

وفات:

مشہور قول کے مطابق امام طحاوی کی وفات شبِ جمعرات یکم ذی القعدہ ۳۲۱ھ کو ہوئی، ابن الندیم نے ۳۲۲ھ لکھا ہے، لیکن حق جماعتِ مؤرخین کے ساتھ ہے، قرافہ میں دفن ہوئے ان کی قبر وہاں مشہور ہے، کوئی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی طرف شارع لیث پر جائے تو جانے والے کی داہنی طرف یہ قبر واقع ہے۔

مصطفٰی سے سن ولادت ۲۲۹ھ، اور محمد سے عمر شریف ۹۲، اور محمد مصطفٰی سے سن وفات ۳۲۱ھ نکلتا ہے، عمر شریف ۹۲ سال کی ہوئی۔ (مقدمہ امانی، صفحہ ۲۹)

طحاوی کی توفی اور تولد اور زمان عمر، محمد مصطفٰی ہے اور مصطفٰی ہے اور محمد ہے۔

از مقدمہ ملتانی، صفحہ ۹)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مؤلفین امہات ستہ رحمہم اللہ تعالیٰ باعتبار زمانہ

نام	ولادت	وفات	عمر
امام بخاری	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ	۶۲سال
امام مسلم	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ	۵۷سال
امام نسائی	۲۱۴ھ	۳۰۳ھ	۸۸یا۸۹سال
امام ابوداؤد	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ	۷۳سال
امام ترمذی	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ	۷۰سال
امام ابن ماجہ	۲۰۹ھ	۲۷۳ھ	۶۴سال

علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت امام طحاوی کی عمر شریف ۲۷ سال کی تھی، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت موصوف ۳۲ سال کے تھے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اساتذہ سے حدیث بھی سنی، امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت ۵۶ سال کے تھے، ان کے بعض اساتذہ سے بھی طحاوی کو روایت حاصل ہے، امام ترمذی کے انتقال کے وقت ۵۰ سال کے تھے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت ۷۴ سال کے تھے، ان کے

اساتذہ سے بھی طحاوی نے روایت کیا ہے،اور خود امام نسائی سے بھی،امام ابن ماجہ کی وفات کے وقت ۴۴ سال کے تھے،ان کے بعض شیوخ سے بھی طحاوی نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح دیکھیے امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت طحاوی ۱۲ برس کے تھے اس لئے کہ امام احمد کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا،یحییٰ بن معین رحمہ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ۴ سال کے تھے یحییٰ کا انتقال ۲۳۳ھ میں ہوا۔

اس طرح آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام طحاوی ان ائمہ کبار کے ہم عصر ہیں اور ان کے بعض اساتذہ سے روایت کرنے میں ان کے شریک بھی ہیں۔

ہارون بن سعید ایلی طحاوی کے استاذ ہیں، ان سے مسلم ابو داود، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔

ربیع بن سلیمان جیزی طحاوی کے استاذ ہیں، ان سے ابو داود نسائی نے بھی روایت کیا ہے اس طرح کی مثالیں امام طحاوی کے اساتذہ میں بہت ہیں۔

(الحاوی، صفحہ: ۴،۵)

مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھتیس (۳۶) ایسے مشائخ حدیث شمار کرائے ہیں جن میں امام طحاوی روایت کرنے میں صحاح ستہ کے مؤلفین یا ان میں سے بعض کے شریک ہیں۔ (دیکھیے مقدمہ امانی الاحبار ص: ۳۴تا۳۶)

طحاوی کے زمانے میں مصر کی علمی حالت

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کا اثر

پہلے مصر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے اثرات اور اسی کا شہرہ تھا، اس لیے کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نافع کو مصر بھیجا تھا، نافع نے تیس (۳۰) سال تک ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاگردی کر کے ان سے استفادہ کیا تھا، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو سنت کی تعلیم دینے کیلئے اہل مصر کی طرف بھیجا تھا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور لیث بن سعد مصری نافع کے شاگرد تھے، لیث بھی امام مجتہد تھے، بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ،مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ تھے لیکن ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اثر کا اتباع کرتے تھے۔

لیث ثقہ تھے بہت سی احادیث ان کے پاس تھیں اپنے زمانے کے مصر کے علی الاطلاق مفتی تھے باوقار، شریف، مہمان نواز سخی آدمی تھے، منصور نے انکو مصر کا امیر بنانا چاہا تو انکار کر دیا، لیکن مصر کے کسی قاضی یا حاکم کے بارے میں لیث شکایت لکھ بھیجتے تو اس کو معزول کر دیا جاتا تھا، مصر میں لیث کے بہت سے شاگرد تھے جو لیث سے روایت کرتے تھے، لیکن لیث کے اثرات زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکے۔

پھر مصر امام مالک کی فقہ سے متاثر ہوا، اس لیے کہ امام مالک کے بڑے بڑے تلامذہ نے مصر پہنچ کر امام مالک کی فقہ کو عام اور رائج کیا، ان میں ابن ، عبد الرحمٰن بن قاسم مصری رحمۃ اللہ علیہ (امام مالک سے انکے مسائل کے راوی) اسحاق ابن فرات تجیبی رحمۃ اللہ علیہ مصر کے قاضی اشہب بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ عامری جو

دیار مصر کے فقیہ تھے، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم مصری رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں، جو ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں ان لوگوں نے مصر میں فقہ مالکی کو غالب کر دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کا اثر

لیکن جب امام شافعیؒ مکہ مدینہ بغداد ہوتے ہوئے ۱۹۵ ھ میں مصر پہنچے اور وہاں کتب جدیدہ تالیف فرمائیں، جیسے کتاب الام، امالی کبری، املاء صغیر، مختصر بویطی، مختصر مزنی، مختصر ربیع، الرسالہ اور سنن، نیز وفات (رجب: ۲۰۴ھ) تک برابر وہاں علم کی نشر واشاعت کرتے رہے، اور جامع عمرو کو اپنا ٹھکانہ بنالیا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے تلامذہ پیدا ہوئے جنہوں نے ان کے علم کو سیکھا اور پھیلایا اور مالکیہ سے مناظرے کئے اور ان کو مغلوب کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مصر کے یہ تلامذہ مشہور ہیں:

۱۔ یوسف بن یحییٰ بویطی رحمۃ اللہ علیہ جو اماشافعی کے بعد ان کے جانشیں ہوئے

۲۔ حرملہ بن یحییٰ تجیبی مصری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر شیطان سے بھی مناظرہ کریں تو مغلوب کر دیں۔

یہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں اور ان کے استاذ تھے۔

۴۔ ربیع بن سلیمان مؤذن ان لوگوں کی محنت سے فقہ شافعی کو شہرت ہوئی، لیث وغیرہ کا اثر تو بالکل ہی ختم ہو گیا، فقہ شافعی و مالکی دونوں مصر میں چلتی رہیں۔

مصر میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کا اثر

ان دونوں فقہوں کے علاوہ مصر میں فقہ حنفی بھی پہنچی اس لیے کہ قضاۃ عموماً احناف تھے کیوں کہ خلافت بغداد میں تھی اور بغداد میں حنفیت کا زور تھا اور وہیں

سے قاضیوں کا تقرر ہوا کرتا تھا، ۱۶۴ھ میں قاضی اسماعیل بن اسحاق بن سمیع کوفی حنفی مصر کے قاضی ہوئے اور ۱۶۷ھ میں معزول ہوئے پھر ۱۷۷ھ میں محمد ابن مسروق مصر کے قاضی ہوئے اور ۱۸۵ھ میں معزول ہوئے ان کے بعد اسحاق ابن فرات تحبیبی (امام مالک کے شاگرد) قاضی ہوئے جو ۱۸۵ھ ہی میں معزول ہوگئے اسحاق بن فرات کو الجواہر المضیئۃ میں حنفی قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے شاگرد تھے، ان سے فقہ حاصل کی تھی۔

اسحاق بن فرات کے بعد عبد الرحمن بن عبد اللہ قاضی ہوئے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے یہ جمادی الاولی ۱۹۴ھ تک قاضی رہے پھر ہاشم بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ قاضی ہوئے یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے کوفہ کے رہنے والے حنفی تھے محرم ۱۹۶ھ میں ان کی وفات ہوئی پھر مصر کے قاضی ابراہیم بن الجراح مازنی کوفی ہوئے جو امام ابو یوسف کے شاگرد تھے ان سے علی بن الجعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے امالی لکھی تھی، امام ابو یوسف فرماتے تھے کہ تم ہم سے مسائل کو تروتازہ لیتے ہو اور سرمہ لگا کر واپس کرتے ہو، یہ ۲۰۵ھ میں قاضی ہوئے اور ۲۱۱ھ میں معزول ہوئے یہ امام ابو یوسف کے آخری شاگرد ہیں۔

مصر کے لوگ ان قاضیوں سے متاثر ہوئے اسلئے کہ ان میں بعض علم و قضاء اور اخلاق و دیانت کے لحاظ سے بہت عمدہ اور اچھے تھے۔

ان سب کے بعد قاضی بکار بن قتیبہ بصری ۲۴۶ھ میں قاضی بن کر مصر پہنچے، یہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھے، ۲۷۵ھ [1] میں ان کا انتقال ہوا، یہ قاضی بکار امام ابو یوسف اور امام زفر کے شاگردوں کے شاگرد تھے اور دیگر

---

[1] الجواہر المضیئۃ ص: ۱۷۰ میں م ۲۷۰ھ مذکور ہے: سنة سبعين وما تين وهو ابن سبعين وثمانين وولد سنة اثنين وثمانين ومائة ۱۱۲ فقط۔

محدثین سے بھی روایتیں لی تھیں، ان کے شاگردوں میں ابو عوانہ اور ابو بکر بن خزیمہ بھی ہیں، یہ اپنے وقت کے فقہ حنفی کے بڑے عالموں میں سے تھے، ان کی متعدد کتابیں ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں میں امام شافعی کی تردید بھی کی ہے، جن مسائل میں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی تردید کی تھی اس کی تفصیل الجواہر المضیئۃ صفحہ ۱۶۹ میں مذکور ہے، ورع و تقویٰ اور عدل وانصاف میں ان کے واقعات مشہور ہیں۔

امام طحاوی اسی دور میں پروان چڑھے، بکار بن قتیبہ سے بھی خوب حدیثیں سنیں اور فائدہ اٹھایا۔ (از مقدمہ امانی الاحبار، صفحہ: ۳۱،۳۲)

قاضی بکار کے بعد احمد بن ابی عمران بغدادی دیار مصر کے قاضی ہوئے، **کما قال الذھبی فی تذکرۃ الحفاظ** جلد ۳ صفحہ: ۲۹، یہ اکابر حنفیہ میں سے تھے محمد ابن سماعہ سے فقہ حاصل کی تھی عاصم بن علی وغیرہ سے حدیثیں سنی تھیں، ابن یونس نے اپنی تاریخ میں ان کی توثیق کی ہے، امام طحاوی کے شیخ ہیں، محرم ۲۸۵ھ میں وفات ہوئی۔ (الحاوی، صفحہ: ۱۷)

ان قضات اور امام طحاویؒ کی وجہ سے مذہب حنفی مصر میں داخل ہوا، پھر نور الدین زنگی بادشاہ کے ذریعہ شام میں مذہب حنفی پھیلا اور اس راہ سے حنفیہ مصر میں زیادہ ہوئے، پھر حکومت عثمانیہ آئی جس نے مذہب حنفی کو سرکاری مذہب قرار دیا، اگرچہ مذہب شافعی ومالکی سے نہیں روکا، اس طرح حنفی مذہب عام ہوا۔ **(أبو جعفر الطحاوی وأثرہ فی الحدیث: شیخ عبدالمجید محمود ص ۳۳)**

امام طحاوی کے طلب علم کی ابتداء

امام طحاوی نے سب سے پہلے اپنے ماموں اور امام شافعی کے مشہور شاگرد امام مزنی ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ سے تحصیل علم شروع کیا، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے مزنی سے لکھا اور امام شافعی کا قول اختیار کیا، چند سالوں کے بعد جب ہمارے یہاں احمد بن ابی عمران قاضی بن کر آئے تو میں نے انکی صحبت اختیار کی اور ان کا قول اختیار کر لیا، وہ کوفیین کے مذہب پر تھے، اور اپنا پہلا قول چھوڑ دیا، یہ روایت ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ امام طحاویؒ سے ذکر کی ہے، یاقوت حموی رومی نے بھی اس کو معجم البلدان میں ذکر کیا ہے، یہ روایت متصل سند سے طحاوی سے مروی ہے، دوسری روایت میں یوں ہے: محمد بن احمد شروطی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں سے اختلاف کر کے امام ابو حنیفہ کا مذہب کیوں اختیار کیا تو امام طحاوی نے فرمایا کہ میں اپنے ماموں کو دیکھتا تھا کہ وہ حنیفہ کی کتابوں میں غور کیا کرتے تھے، اس لیے ان کی طرف منتقل ہو گیا، اس روایت کو ابو یعلیٰ خلیلی نے کتاب الارشاد میں ذکر کیا ہے، کما قال الیافعی فی مرآۃ الجنان۔

اس کا مطلب کوثری نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے بھی ابو حنیفہ کی کتابوں میں غور کرنا شروع کیا، انہوں نے اپنی جاذبیت کی وجہ سے مجھے کھینچ لیا، جیسا کہ امام مزنی کو بھی اس بات پر آمادہ کر دیا کہ بہت سے مسائل میں امام شافعی سے اختلاف کر کے ابو حنیفہ کی طرف مائل ہو گئے جیسا کہ مختصر مزنی سے ظاہر ہے۔

(مقدمہ امانی الاحبار صفحہ: ۲۹، والحاوی صفحہ: ۱۴)

امام طحاوی کے انتقال مذہب کی روایات

ان دونوں روایتوں میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ ماموں کو دیکھ کر ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا جس سے ادھر میلان ہوا پھر احمد بن ابی عمران کی صحبت نے اس میلان کو قوت دے دی اور شدہ شدہ حنفی ہو گئے۔

ابن عساکر کی مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ طحاوی نے خواب میں امام مزنی کو دیکھا تو مزنی یہ کہہ رہے تھے: اے ابو جعفر! (طحاوی) تم کو ابو جعفر (احمد بن ابی عمران) نے چھین لیا، اے ابو جعفر! تم کو ابو جعفر نے چھین لیا۔ (الحاوی ص ۱۶)

دیگر روایات کا جائزہ

امام طحاوی کے انتقالِ مذہب کے متعلق کچھ اور روایات بھی ہیں جس میں اس طرح کا مضمون ہے کہ امام طحاوی ناراض ہو کر امام مزنی کے پاس سے چلے گئے اور پھر حنفی ہو گئے۔

چنانچہ ابو اسحاق شیرازی شافعی رحمہ اللہ علیہ نے طبقات الفقہاء میں یہ روایت درج کی ہے: امام طحاوی مصر میں احناف کے سردار تھے انہوں نے علم ابو جعفر احمد بن ابی عمران اور ابو خازم وغیرہ سے حاصل کیا، پہلے شافعی تھے امام مزنی سے پڑھتے تھے، ایک دن امام مزنی نے فرمایا: بخدا! تم سے کچھ نہ ہو سکا، اس سے طحاوی ناراض ہو کر ابن ابی عمران کے یہاں چلے گئے، طحاوی نے جب مختصر الطحاوی لکھی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو ابراہیم (امام مزنی) پر رحم فرمائے اگر زندہ ہوتے تو کفارہ دیتے۔ اھ

کوثری فرماتے ہیں کہ یہ خبر سند سے خالی ہے، اس لیے کہ صیمری کے کلام سے ماخوذ ہے، صیمری اس کو ابو بکر محمد بن موسیٰ خوارزمی متوفی ۴۰۳ھ سے نقل

کر رہے ہیں، انہوں نے طحاوی کا زمانہ نہیں پایا، نہ ہی طحاوی کے کسی معاصر سے اس کو نقل کیا اس لیے یہ روایت ضعیف ہوگی۔

نیز "**واللہ لا جاء منک شئ**" امام مزنی کے کلام میں صیغہ ماضی ہے اور صیغہ ماضی کی قسم غموس یا لغو ہوتی ہے، جس سے امام مزنی پر کفارہ خود ان کے مذہب کے مطابق نہیں آتا، طحاوی ایسے مشہور مسئلے سے جاہل نہیں ہو سکتے، اس لیے اس حکایت کا جھوٹا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ (الحاوی، صفحہ: ۱۵)

ایک اور روایت سِلَفی نے اپنے معجم شیوخ میں اسی طرح کی ذکر کی ہے، اسکو وہ محمد بن علی دامغانی سے نقل کرتے ہیں اور وہ قدوری سے کہ مزنی نے ایک دن طحاوی سے کہا: "**واللہ لاافلحتَ**" بخدا تم کامیاب نہیں ہوئے! تو طحاوی ناراض ہو کر چلے گئے اور احناف کی فقہ حاصل کی اور جب کوئی مشکل مسئلہ پڑھاتے یا بتاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ ابو ابراہیم پر رحم فرمائے اگر زندہ ہوتے اور مجھے دیکھتے تو اپنی قسم کا کفارہ دیتے۔

کوثری فرماتے ہیں اس میں بھی صیغہ ماضی ہے جس سے دونوں کے مذہب میں کفارہ نہیں آتا اور قدوری اور طحاوی کے درمیان بہت فصل ہے قدوری نے طحاوی کا زمانہ نہیں پایا، (قدوری کا انتقال ۴۲۸ھ میں ہوا)۔

ایک تیسری روایت بھی اسی طرح کی ہے، اس میں صیغہ مستقبل ہے، ابن عساکر کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ امام طحاوی نے مذہب شافعی اس لیے چھوڑا کہ ایک روز امام مزنی کے سامنے ایک مسئلہ پر گفتگو کی تو مزنی نے ان سے کہا کہ "**واللہ لاتفلح ابدا**" واللہ کبھی کامیاب نہیں ہوگے، اس پر طحاوی ناراض ہو گئے اور ابو جعفر احمد بن ابی عمران سے جا ملے، ابو حنیفہ کے اقوال اختیار کر لیے

اور اس میں کمال پیدا کر لیا، اس کے بعد مزنی کی قبر سے گزرے تو فرمایا: اے ابو ابراہیم! اگر آپ زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ دیتے۔ اھ

اس میں اگرچہ مستقبل کا صیغہ ہے مگر یہ روایت بھی بلاغات میں سے ہے، اس کی سند متصل نہیں۔

اس لیے ابتدائی دونوں روایتیں ہی قابل اعتماد ہیں اس لیے کہ وہ امام طحاوی کا اپنا بیان ہے، باقی روایتیں سند و متن کے لحاظ سے ناقابل اطمینان ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھیے کہ ان روایتوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ امام طحاوی امام مزنی سے ناراض ہو کر احمد بن ابی عمران کے پاس چلے گئے تھے، گویا مزنی کے زمانے میں احمد بن ابی عمران وہاں موجود تھے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ امام مزنی کی وفات ۲۶۴ھ میں ہوئی، اس کے بعد قاضی بکار کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی اور ابن ابی عمران' قاضی بکار کے بعد ۲۸۰ھ میں مصر کے قاضی ہوئے، اس لیے ان حکایات میں جو منظر پیش کیا جا رہا ہے واقعات کی دنیا اس سے انکار کرتی ہے۔ (دیکھیے الحاوی صفحہ: ۱۶ نیز ابو جعفر الامام المحدث الفقیہ لعبد اللہ نذیر احمد ص ۸۲) [1]

---

[1] امام طحاوی کے انتقال مذہب پر ایک بات شرح عقائد کی شرح نبراس میں نظر سے گزری، وہ یہ کہ امام طحاوی پہلے شافعی تھے، ان کی کسی کتاب میں یہ مسئلہ پڑھا کہ حاملہ عورت اگر مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو اور زندہ ہو تب بھی پیٹ چاک کر کے بچہ کو نہیں نکالیں گے، امام طحاوی اسی طرح پیدا ہوئے تھے، جب یہ مسئلہ پڑھا تو فرمایا کہ میں اس آدمی کے مذہب پر راضی نہیں جو میری ہلاکت پر راضی ہو، پھر شافعی مذہب چھوڑ دیا اور حنفی مذہب اختیار کر لیا، اور حنفی مذہب کے بڑے مجتہدین علماء میں شمار ہوئے، حنفیہ میں ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد) کے بعد طحاوی اور ابن ہمام جیسا کسی کو میں نہیں پاتا، اسلئے کہ ان دونوں نے علم حدیث کو خوب اچھی طرح حاصل کیا۔ ۱۲ (نبراس شرح شرح العقائد صفحہ: ۱۱)، معلوم نہیں یہ واقعہ کس کتاب سے لیا گیا ہے، طحاوی کے تذکرہ میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ اعلم۔ فضل الرحمن

حافظ ابن حجر اور امام طحاوی

حافظ ابن حجر نے اس واقعہ کو یوں پیش کیا ہے (لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۲۷۵) میں لکھتے ہیں امام طحاوی پہلے امام شافعی کے مذہب پر تھے پھر حنفیہ کے مذہب کی طرف منتقل ہو گئے ایک واقعہ کی وجہ سے جو ان کے اور ان کے ماموں کے درمیان پیش آیا وہ یہ کہ امام طحاوی امام مزنی کے یہاں پڑھتے تھے، ایک دقیق مسئلہ آیا، طحاوی اس کو سمجھ نہیں سکے، مزنی نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اتفاق سے ان کو سمجھ میں نہیں آیا تو مزنی نے اکتا کر خفا ہو کر فرمایا: "**واللہ لا جاء منک شیٔ**"، بخدا تم سے کچھ نہیں ہو سکا، طحاوی وہاں سے اٹھ کر ابو جعفر بن ابی عمران کے پاس چلے گئے جو قاضی بکار کے بعد دیار مصر کے قاضی تھے ان سے فقہ حاصل کی اور انہیں کے ساتھ رہے حتی کے ان سے جو ہوا وہ ہوا۔ اھ

حافظ نے جو منظر کشی کی ہے غالباً کسی روایت میں نہیں، اور مزنی کے یہاں سے اٹھ کر ابن ابی عمران کے یہاں چلے جانا کس طرح ہو گا جب کہ ابھی وہ مصر میں آئے ہی نہیں تھے۔

پھر حافظ نے فوراً ابو اسحاق شیرازی کی روایت ذکر کی جو اوپر گزر چکی ہے۔ حافظ نے اس کو مختصر کرتے ہوئے یوں کہا:

شیخ ابو اسحاق شیرازی نے فرمایا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ابو جعفر نے جب اپنی مختصر لکھی تو فرمایا: **رحم اللہ أبا ابراهيم يعني المزني لو كان حيا لكفر عن يمينه يعني الذي حلفه انه لا يجيئ منک شیٔ۔** (لسان جلد: ۱، صفحہ ۲۷۵)

دیکھیے حافظ نے اوپر جو واقعہ بیان کیا اس میں صیغہ ماضی تھا "**واللہ لا جاء منک شیٔ**" ہم نے پہلے بھی ابو اسحاق شیرازی کی جو روایت ذکر کی اس میں بھی وہی صیغہ ماضی تھا لیکن یہاں حافظ نے کس طرح یعنی کہہ کر اس کو ماضی سے مستقبل کی طرف بدل دیا تا کہ کفارہ کا افسانہ صحیح ہو جائے۔

کوثری حافظ کی عبارتیں نقل کر کے لکھتے ہیں "وھذا تصرف طریف من ابن حجر وفیه کثیر من العبر" یہ حافظ ابن حجر کا انوکھا تصرف ہے جس میں بہت سی عبرتیں ہیں۔ (الحاوی صفحہ ۱۷)

پھر حافظ لکھتے ہیں: بعض ائمہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ مزنی کے اوپر اس کی وجہ سے کفارہ لازم نہیں اس لیے کہ انہوں نے غلبۂ ظن کی وجہ سے ایسا کہا تھا، لیکن طحاوی کی طرف سے یہ جواب ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بطریق مبالغہ ایسا کہا ہوگا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسی صورت میں کفارہ مستحب ہوگا گو واجب نہیں، امام طحاوی سے ایسی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی، لیکن میں نے محمد بن زکی منذری کی یہ تحریر پڑھی ہے کہ طحاوی نے یہ بات اسلئے کہی تھی تاکہ مزنی کو عار دلائیں [1] تو بعض فقہاء نے یہ جواب دیا کہ مزنی کو قطعاً قسم [2] لازم نہیں اس لیے کہ جس نے اصحاب الحدیث کا مذہب چھوڑ کر اصحاب الرائے کا مذہب اختیار کر لیا وہ کامیاب نہیں ہوا۔ (لسان جلد ا صفحہ ۲۷۵)

مولانا محمد یوسف کاندھلوی نے مقدمہ امانی الاحبار میں اس کا جواب دیا ہے کہ بعض فقہاء کا یہ جواب فقہ سے بہت دور ہے اس لیے کہ امام طحاوی نے حدیث کو چھوڑا نہ اصحاب الحدیث کو صرف شوافع کا جو طریق استدلال ہے اس کو چھوڑا اس کے بجائے احناف کا طریقۂ استدلال اور ان کے طریقہ پر حدیثوں میں غور کرنے کا اسلوب اختیار کیا، چنانچہ طحاوی نے حدیث پر کتابیں لکھیں، محدثین کے طریقہ پر صحیح اور معتبر احادیث کا انتخاب کیا پھر قیاس اور نظر صحیح سے اس کی

---

[1] سبحان اللہ مرنے کے بعد کسی کو عار دلایا جا سکتا ہے؟ اور منذری کو طحاوی کی نیت بھی معلوم ہو گئی کیسے فضل

[2] یعنی کفارۂ قسم۔ ۱۲ فضل

تائید پیش کی، احادیث مختلفہ میں جمع و تطبیق کے موضوع پر بہترین تصنیف فرمائی، یہ تمام تصانیف اس قصہ کے بعد کی ہیں، تو یہ کہنا کہ اصحاب حدیث کا مذہب ترک کیا کس طرح صحیح ہے؟ (مقدمہ امانی الاحبار صفحہ ۳۰)

حافظ ابن حجر کو امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار کی اچھی طرح خبر ہے، اس کے باجود بعض فقہاء کا یہ قول نقل کر کے کس طرح خاموشی اختیار کی، اگر یہی بات کسی شافعی محدث کے بارے میں کوئی کہہ دیتا تو حافظ قطعاً خاموش نہ رہتے۔ "فاعتبروا یا أولی الأبصار".

علامہ کوثری نے اس کے جواب میں یہ لکھا، فرماتے ہیں: "باقی یہ دعوی کہ یہی لوگ (شوافع) اصحاب الحدیث ہیں نہ کہ دوسرے لوگ تو یہ ایسی آواز ہے جو ہم برابر ایسے لوگوں کے منہ سے سنتے رہتے ہیں جنہوں نے فکر سلیم کو کھو دیا ہے، اگر یہ لوگ اچھی طرح غور کرتے اور دیکھتے کہ انکے اصحاب نے کس طرح قیاس شبہ، اور مناسبت نیز مرسل حدیثوں کو رد کرنے میں وسعت سے کام لیا ہے، اور دوسری طرف ہر طرح کی حدیثوں کو قبول کرتے رہے ہیں اور مسند ابو العباس الاصم کو غور سے پڑھتے تو یہ دعوی ہرگز نہ کرتے کہ یہی لوگ سنت کو اختیار کرتے ہیں، دوسرے فقہائے امت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو حدیث کو اصلِ ثانی کی حیثیت سے نہ مانتی ہو (تمام کے یہاں کتاب اللہ اصلِ اول اور سنتِ رسول اصلِ ثانی ہے)، ہاں یہ ضرور ہے کہ حدیثوں کی سند و متن کو پرکھنا ہوتا ہے اور دیکھنا ہوتا ہے کہ کون سی حدیث استدلال کے قابل ہے اور کونسی نہیں، ایسا نہیں کہ آنکھ بند کر کے ہر حدیث کو قبول کر لیا جائے، (یہ ضابطہ بھی تمام کے یہاں معتبر ہے)۔ (الحاوی صفحہ ۱۸ ملخصاً)

حافظ ابن حجر کے کلام سے عبرتیں

حافظ ابن حجرؒ نے طحاوی کا جو تذکرہ لکھا ہے اس میں جیسا کہ کوثری نے کہا کئی عبرتیں ہیں:

ا۔ طحاوی کے انتقال مذہب کے بارے میں جو روایتیں تھیں ان میں جو روایت متصل سند سے مروی تھی جس میں خود امام طحاوی سے سبب انتقال مذکور تھا اس کا حافظ نے بھولے سے بھی تذکرہ نہیں کیا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ امام مزنی بھی احناف کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور اس سے متاثر بھی تھے، اسی لیے امام شافعی سے کئی مسائل میں اختلاف بھی کیا جیسا کہ مختصر مزنی اسکی شاہد ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طحاوی کے انتقال کا سبب بھی وہی کتابیں بنیں۔

ان میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش تھی جس نے طحاوی کو کھینچ لیا، اور احمد بن ابی عمران قاضی حنفی کی صحبت اور مجالست نے اس پر وہ کام کیا جو سونے پر سہاگہ کرتا ہے

۲۔ وہ روایت ذکر کی جو بلاغات میں سے تھی جیسا کہ حافظ کی عبارت خود بتاتی ہے۔ "قال الشيخ أبو اسحاق الشيرازي وبلغنا أن أبا جعفر الخ" ۔
(لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۲۷۵)

اور اُس میں اپنی طرف سے یہ تصرف کیا کہ ماضی کو مضارع بنادیا، نیز اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ دقیق مسئلہ طحاوی کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا، مزنی بار بار سمجھا رہے تھے پھر اکتا کر غصہ میں آکر کہا: واللہ لاجاء منک شیء اھ

یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ طحاوی غبی اور کم سمجھ تھے، کوثری نے اس کا جواب دیا کہ فطری غباوت جیسا کہ معلوم ہے کم ہی ذکاوت سے تبدیل ہوتی ہے، طحاوی کی

کتابیں ان کی فطری ذکاوت کو بتاتی ہیں، اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ بار بار سمجھانے پر بھی نہ سمجھیں پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ امام مزنی امام شافعی کے شاگرد تھے، امام شافعی اپنے شاگردوں کو پڑھانے اور سمجھانے میں بڑے صابر اور متحمل مزاج تھے، قفال مروزی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ ربیع مرادی جو امام شافعی کے مذہب جدید کے راوی ہیں بہت دیر سے سمجھتے تھے، امام شافعی نے ایک مسئلہ ان کو چالیس (۴۰) مرتبہ سمجھایا، پھر بھی وہ نہیں سمجھے اور شرما کر مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے، پھر امام شافعی نے ان کو تنہائی میں بلا کر سمجھایا تو سمجھ گئے۔ (نقلہ السبکی)

امام مزنی نے اپنے استاذ سے یہ تحمل و صبر ضرور سیکھا ہوگا پھر طحاوی سے اکتا کر کیوں خفا ہو گئے؟ خصوصاً جب کہ وہ ان کے بھانجے بھی تھے اور ایسی قسم کھالی جو وقار اور احتیاط کے خلاف ہے؟ ان شوافع کو یہ حکایت لکھتے ہوئے یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اس سے ہمارے امام مزنی پر حرف آتا ہے، طحاوی کی منقصت تو نکلتی نہیں، ان کی کتابیں تو ان کے کمال کی شاہد عدل ہیں، مزنی ان کو کسی لائق نہیں بنا سکے لیکن طحاوی جب قاضی ابن ابی عمران کے پاس چلے گئے تو ان کی غباوت دور ہو گئی، ذکی ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے اس حنفی قاضی کے پاس کوئی جادو کی چھڑی تھی کہ طحاوی کے اوپر پھرائی اور وہ ذکی ہو گئے۔

۳۔ حافظ کو تسلیم ہے کہ ابن ابی عمران، قاضی بکار کے بعد قاضی ہوئے کما مر لفظہ، اور حافظ کو یقیناً امام مزنی کا نیز قاضی بکار کا سنہ وفات بھی معلوم رہا ہوگا پھر یہ کہتے ہوئے کہ مزنی کے یہاں سے اُٹھے اور احمد بن ابی عمران کے یہاں چلے گئے۔ حافظ کو کوئی اشکال نہیں ہوا؟ یہ بھی سوچنے کی بات ہے، اسی لیے سخاوی نے اپنے استاذ کی شکایت کی ہے اور لکھا ہے: **لا یستطیع أن یترجم لحنفی الا باخسا لحقہ ومنقصا لشانہ۔** (تعلیق السخاوی علی الدرر الکامنة لابن حجر) الحاوی صفحہ ۲۷)

اور محب ابن شحنہ نے صحیح فرمایا کہ ابن حجر کا کلام کسی حنفی کے بارے میں

قابل اعتبار نہیں خواہ وہ کوئی متقدم حنفی ہو یا متاخر، اس لیے کہ ابن حجر کو احناف سے انتہائی تعصب ہے۔(الحاوی صفحہ ۲۷)

۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لسان المیزان میں امام طحاوی کا تذکرہ کر کے طحاوی کو نقصان پہنچانے سے پہلے خود اپنے کو نقصان پہنچایا ہے، اس لیے کہ اہل علم تو طحاوی کی تعریف کرتے ہیں، ابن حجر نے ایسا کر کے جماعت اہل علم سے شذوذ اختیار کیا۔

ذہبی [۱] پر استدراک کرتے ہوئے حافظ نے طحاوی کا لمبا چوڑا تذکرہ کیا ہے، لسان المیزان ذہبی کی میزان الاعتدال پر استدراک ہے اور میزان الاعتدال کا موضوع وہ رجال ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے تو گویا حافظ نے لسان المیزان میں طحاوی کا تذکرہ کر کے یہ بتایا کہ طحاوی بھی متکلم فیہ لوگوں میں سے ہیں۔

کوثری لکھتے ہیں کہ طحاوی کا یہ طویل تذکرہ اس لیے لکھا ہے تاکہ اس کے درمیان میں مسلمہ بن قاسم سے نقل کرتے ہوئے ابن الاحمر کا یہ قول ذکر کریں کہ میں ۳۰۰ھ سے قبل مصر میں داخل ہوا تو اہل مصر طحاوی پر ایک نہایت ہی رسوا کن امر کا الزام لگا رہے تھے۔اھ

پھر حافظ نے اس امر عظیم فظیع کی اپنی طرف سے شرح کی اور لکھا: یعنی من جهة أمور القضاء أو من جهة ما قيل انه أفتى به أبا الجيش فى أمر الخصيان۔ اھ (لسان جلد:۱صفحہ: ۲۷۶)

کوثری لکھتے ہیں: كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ دیکھتے ہو صرف اشارہ کرتے ہیں صاف لکھتے نہیں، تاکہ سننے والے کا ذہن ہر برائی کی طرف جاسکے اور طحاوی کی شہرت کو نقصان پہنچے، کیا جرح و تعدیل اہل نقد کے یہاں اسی طرح ہوتی ہے؟ یہ

---

[۱] ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں طحاوی کا تذکرہ کیا ہے، میزان الاعتدال میں نہیں، لسان میں حافظ نے زیادتی کا نشان نہیں لگایا جب کہ دیباچہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۲فضل۔

مصر کے کون لوگ ہیں جو طحاوی کو یہ الزام لگا رہے تھے؟ سارے مصر والوں کی طرف نسبت کرنے کے بجائے ایک دو کا نام لیتے تو دیکھا جاتا کہ وہ لوگ کیسے ہیں، اور وہ امر قطیع کیا ہے جو طحاوی کی بلند و بالا شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے ذکر کیا جا رہا ہے؟ مجہولین کی خبر اور وہ بھی امر مجہول میں کیا فائدہ دے گی؟

ہاں جو اس کو منہ بھر کر ذکر کر رہا ہے اس کی طبیعت اور مزاج کا ضرور اس حکایت سے پتہ چل جاتا ہے۔ (الحاوی صفحہ: ۲۸،۲۷)

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے اس مبہم بات کی تھوڑی وضاحت کی ہے، اور لکھا ہے کہ شاید حافظ کا یہ کلام ابن الندیم کی اس بات سے مکمل ہو سکے گا جو انہوں نے اپنی فہرست میں ذکر کی ہے۔ لکھا ہے: کہا جاتا ہے کہ امام طحاوی نے احمد بن طولون کے لیے ایک کتاب ملکِ یمین سے نکاح کے موضوع پر لکھی تھی جس میں خدام سے نکاح کو جائز قرار دیا تھا۔ اھ

پھر مولانا کاندھلویؒ نے لکھا کہ حافظ جیسے شخص سے یہ عجیب بات صادر ہوئی ہے، ایسی روایت پر اپنی بات کی بنیاد رکھی ہے جس کی طرف انکے سوا کسی نے توجہ نہیں کی، مسلمہ بن قاسم کی ذہبی نے میزان الاعتدال میں تضعیف کی ہے اور فرقہ مشبّہہ کی طرف اسکو منسوب کیا ہے، خود حافظ نے ان مسلمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ قاضی محمد بن یحییٰ بن مفرج سے مسلمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ کذاب نہیں تھا، لیکن ضعیف العقل تھا، اور عبداللہ بن یوسف ازدی بن الفرضی نے کہا کہ مسلمہ رائے اور بھید اور کتاب والے تھے اور تشبیہات کے بارے میں ان سے بری بات محفوظ کی گئی ہے، (یہ بھی لکھا ہے کہ اندلس کی ایک قوم ان پر حملہ کرتی تھی اور بسا اوقات انکی تکذیب بھی کی)۔ (لسان: جلد:۶ صفحہ: ۳۵)

لطیفہ

انہی مسلمہ بن قاسم نے کتاب الصلہ میں امام بخاری پر یہ الزام لگایا ہے کہ اپنے شیخ علی بن مدینی کی کتاب العلل چرالی تھی، حافظ نے اس کی زوردار تردید کی لیکن طحاوی کے بارے میں مسلمہ کا قول حافظ کو پسندیدہ رہا، اس کو نقل کر کے چلے گئے، کچھ نہیں کہا، (کیا یہی انصاف ہے؟)

ابن الاحمر جن سے مسلمہ نے یہ بات نقل کی شاید مجہول ہیں، کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہیں، اور اہل مصر جن کی بات ابن الاحمر نے ذکر کی وہ بھی مجہول ہیں، امر فظیع بھی مبہم غیر مفسر ہے، اور حافظ نے اس کلام کی جو شرح (یعنی من جهة أمور القضاء سے) کی تو اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ طحاوی قاضی ہوئے تھے اور اس میں کچھ گڑبڑ کی تھی تو یہ ثابت نہیں کہ قضاء کے سلسلہ میں ظلم وجور کی نسبت ان کی طرف کی جاسکے (حافظ نے رجماً بالغیب ایسی شرح کر دی)

بلکہ طحاوی نے قاضی ابو عبید کو اس بات پر ابھارا تھا کہ وہ امینوں کا محاسبہ کریں اور اس بارے میں ان سے مناظرہ بھی کیا تھا۔

اور اگر حافظ کا مطلب اس سے یہ ہے کہ اُمناءِ حاسدین نے طحاوی کے خلاف طوفان برپا کیا تھا اور نائب ہارون بن ابی الجیش کو طحاوی کے خلاف بھڑکایا تھا تاآنکہ اس نے طحاوی کو قید کیا، اسی طرح طحاوی اور قاضی ابو عبید کے درمیان بھی ریشہ دوانی کی حتی کہ دونوں کو ایک دوسرے سے انحراف ہوا تو اس مسئلہ میں حق طحاوی کے ساتھ تھا کہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دیا اگرچہ حاسدین کی طرف سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اللہ تعالیٰ انکو اس کا اجر دیں گے۔

(مقدمہ امانی صفحہ: ۵۷)

مردانِ خدا ہمیشہ اس نوع کی مشکلات کا سامنا کرتے رہے ہیں۔

اور حافظ نے اس کے بعد جو دوسری شرح کی (أو من جهة ما قيل انه أفتى به أبا الجيش في أمر الخصيان) سے تو اس کا بھی کوئی سر پیر نہیں، قائل مجہول ہے (قیل صیغہ تمریض ہے جو ضعف کی طرف مشیر ہے)۔

ابن الندیم کے کلام سے یہ احتمال ماخوذ ہو سکتا ہے لیکن وہاں بھی صیغہ تمریض یقال تھا، اور مؤرخین رطب و یابس سب کچھ بلا تحقیق جمع کر دیتے ہیں، اس طرح کی باتوں سے کسی ایسی شخصیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا جس کی امانت، دیانت، ثقاہت، امامت ثابت ہو اور جس کے ورع و تقویٰ اور صدق و فضل پر علماء کا اتفاق ہو متقدمین اور متاخرین تمام نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے سے اعراض کیا نہ طحاوی کے تذکرہ میں اس کو ذکر کیا نہ ابو الجیش کے تذکرہ میں (حافظ نے ایسا کر کے اپنے نفس کی کسی حاجت کا پتہ دیا۔ ۱۲ کوثری)

حافظ نے اس کو ذکر کر کے ابن عبد البر کے اس قول کی مخالفت بھی کی جس کو لسان المیزان کے مقدمہ میں ذکر کیا تھا کہ جس کی عدالت ثابت ہو اور علم میں اس کی امامت محقق ہو، علم کے ساتھ اس کا اہتمام و اشتغال ظاہر ہو اس کے بارے میں کسی کا قول سنا نہیں جائے گا الا یہ کہ جارح اپنی جرح میں ایسی کھلی دلیل پیش کرے جس سے شہادت کے طریقہ پر اس کو مجروح کرنا صحیح ہو اور ایسا مشاہدہ پیش کرے جس کا قبول کرنا ضروری ہو۔اھ (مقدمہ امانی الاحبار صفحہ: ۵۸)

لیکن افسوس ہے کہ کسی حنفی کے بارے میں یہ تمام قاعدے دھرے رہ جاتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی ۔

امام طحاوی کے بارے میں کچھ اور لوگوں کے اقوال بھی ہیں جن کو حافظ وغیرہ نے ذکر کیا ہے اسکا جواب اپنی جگہ پر آئے گا، ابھی تو انتقالِ مذہب کے سبب پر گفتگو ہو رہی تھی، حافظ ابن حجر کی بات آئی تو بات بڑھ گئی۔ الشئی بالشئی یذکر.

اب ہم امام طحاوی کے رحلتِ علمیہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔

امام طحاوی کی رحلت علمیہ اور اُن کے مشائخ

ابو سعید بن یونس نے تاریخ مصر میں لکھا ہے کہ امام طحاوی نے سب سے پہلے اپنے ماموں امام مزنی سے فقہ حاصل کی، اور ان سے کتاب السنن سنی جس کو وہ امام شافعیؒ سے روایت کرتے تھے اور اس کے سوا بھی، نیز حدیث دیگر اہل زمانہ سے بھی سنی، چنانچہ یونس بن عبد الاعلیٰ، ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبداللہ بن الحکم، بحر بن نصر، عیسیٰ بن ثرود وغیرہ تلامذہ سفیان بن عیینہ، ابن وہب اور اس طبقہ کے لوگوں سے سنا، ابراہیم بن ابی داؤد الضریس سے بھی بہت سنا۔ یہ بہت حدیثیں بیان کرتے تھے ابو بکرہ بکار بن قتیبہ قاضی سے بھی سنا۔

پھر شام گئے اور بیت المقدس، غزہ اور عسقلان میں سنا، دمشق میں قاضی ابو خازم (بمعجمتین) عبد الحمید سے فقہ حاصل کی، ۲۶۹ھ میں مصر واپس ہوئے، علم میں ترقی کی، اختلاف العلماء کے موضوع پر کتاب لکھی؛ شروط کے عنوان پر بھی، شرح معانی الآثار، احکام القرآن اور مشکل الآثار وغیرہ بھی آپکی تصنیفات ہیں

ابن بدران الدمشقی نے تاریخ ابن عساکر کی تہذیب میں لکھا کہ طحاوی نے حدیث بہت سے لوگوں سے سنی، اور ان سے بہت سے لوگوں نے حدیثیں سنیں، ۲۶۸ھ میں شام گئے، قاضی ابو خازم قاضیِ دمشق سے ملاقات کی اور فقہ حاصل کی۔ (مقدمہ امانی الاحبار صفحہ: ۳۲)

علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ جو طحاوی کے مشائخ کے حالات جانے گا اس کو معلوم ہو گا کہ ان میں مصر، مغرب، یمن، بصرہ، کوفہ، حجاز، شام، خراسان اور تمام اطراف کے لوگ ہیں، امام طحاوی نے ان سے وہ حدیثیں حاصل کر لیں جو ان کے

پاس تھیں۔

طحاوی نے مصر اور مصر کے باہر شہروں میں سفر کر کے وہاں کے شیوخ کے پاس جو حدیثیں اور علوم تھے ان کو حاصل کیا، اور مصر میں جو مشائخ باہر سے آتے ان سے بھی ان کی صحبت میں رہ کر ان کے علوم حاصل کرتے، اس طرح امام طحاوی کے پاس وہ علوم جمع ہو گئے جو ان کے مشائخ کے پاس تھے، حتی کہ وہ اپنے زمانہ کے بے مثال عالم ہو گئے اور مختلف بلاد و اطراف کے لوگ ان کی طرف سفر کر کے آتے تاکہ ان کے کثیر علوم سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی تحقیق وتدقیق سے مستفید ہوں، ان میں مختلف مسلک و مذہب کے لوگ ہوتے۔ آتے اور طحاوی کی وسعت معلومات سے تعجب میں پڑ جاتے۔ (الحاوی صفحہ: ۱۹)

تعدادِ مشائخ امام طحاوی

امام طحاوی کے مشائخ میں کچھ وہ ہیں جن سے طحاوی نے فقط اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں روایت ذکر کی ہے ان کی تعداد چھبیس (۲۶) ہے۔ اور کچھ وہ ہیں جن سے فقط مشکل الآثار میں روایت ذکر کی ہے۔ ان کی تعداد ایک سو پینتیس (۱۳۵) ہے، اور کچھ وہ ہیں جن سے ان دونوں کتابوں میں روایت کی ہے ان کی تعداد اٹھاسی (۸۸) ہے اور کچھ وہ ہیں جن سے روایت ان دونوں کتابوں کے سوا کسی اور کتاب میں ہے یا رجال کی کتابوں میں ان سے روایت کا ذکر ہے ان کی تعداد تئیس (۲۳) ہے۔ اس طرح کل تعداد دو سو بہتر (۲۷۲) ہوتی ہے۔

اور خاص شرح معانی الآثار میں اساتذہ کی تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) ہوتی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ امانی الاحبار صفحہ: ۳۳تا ۴۲)

علامہ کوثری نے بھی حروف تہجی کی ترتیب سے تقریباً ڈیڑھ سو اساتذۂ امام طحاوی کے نام درج کیے ہیں۔ (دیکھیے الحاوی صفحہ: ۸تا۱۰)

امام طحاوی کے تلامذہ

امام اپنے وقت کے بے نظیر امام تھے، ایک بڑی جماعت نے آپ سے سماع حدیث کیا جن میں بڑے بڑے محدثین فقہاء اور قضاۃ ہیں۔

کوثری لکھتے ہیں، طحاوی سے خلقِ کثیر نے روایت کیا ہے، بعض اہلِ علم نے طحاوی کے تلامذہ کو شمار کرانے کے لیے ایک جز لکھا ہے، پھر کوثری نے بیس کے قریب تلامذہ کے نام ذکر کیے۔ (الحاوی صفحہ: ۷)

چند مشہور نام یہ ہیں:

۱۔ سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی معاجم ثلثہ کے مؤلف متوفی ۳۶۰ھ۔

۲۔ عبداللہ بن عدی جرجانی جن کی الکامل لابن عدی مشہور کتاب ہے، امام حافظ ناقد ہیں، ۳۶۵ھ میں وفات ہوئی۔

۳۔ عبداللہ بن محمد بن احمد جو ابن العوام سے مشہور و معروف ہیں، بڑے حافظ اور قاضی تھے۔

۴۔ احمد بن محمد بن منصور ابو بکر دامغانی قاضی تھے، علم دین میں امام تھے، زہد وورع میں بھی مشہور تھے ایک زمانہ تک بغداد میں مفتی رہے۔

۵۔ حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی مقری، انہوں نے طحاوی سے شرح معانی الآثار سنی اور اس کے مشہور راوی ہیں۔

۶۔ احمد بن یونس مؤرخ مصر کے بیٹے حافظ ابو سعید عبدالرحمٰن متوفی ۳۴۷ھ

۷۔ امام طحاوی کے صاحبزادہ علی بن احمد جو نسائی سے کتاب السنن روایت کرتے ہیں۔

۸۔ محمد بن ابراہیم بن علی مقری محدث اصبہانی صاحب المعجم الکبیر متوفی ۳۸۱ھ ۔

۹۔ احمد بن القاسم بغدادی جو ابن الخشاب سے معروف ہیں، دار قطنی کے شیخ ہیں۔

۱۰۔ حسین بن احمد ہروی جو شماخی سے مشہور ہیں، حاکم وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۱۱۔ محمد بن مظفر بغدادی حافظ، انہوں نے امام اعظم کی مسند کو جمع کیا، دار قطنی کے شیخ ہیں، ان کی موجودگی میں دار قطنی حدیث نہیں بیان کرتے تھے، متوفی ۳۷۹ھ ۔

۱۲۔ علی بن الحسین بن حرب ابو عبید قاضی مصر، ابن حربویہ سے مشہور تھے۔ ثقہ ثبت عالم اور عجیب آدمی تھے، نسائی اور طحاوی کے استاذ ہیں، طحاوی سے روایت بھی کی ہے۔

۱۳۔ محمد بن جعفر بن الحسین بغدادی جو غندر سے مشہور تھے ثقہ حافظ تھے ۳۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

۱۴۔ محمد بن عبیدہ ابو عبید اللہ قاضی مصر ۲۷۷ھ سے ۲۸۳ھ تک قاضی مصر رہے۔

امام طحاوی کی وسعت معلومات
اور معاصرین پر فوقیت

ابن زولاق نے کتاب قضاۃ مصر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس سے امام طحاوی کی وسعت معلومات اور معاصرین پر ان کی فوقیت کا پتہ چلتا ہے۔

ابن زولاق کہتے ہیں مجھ سے عبداللہ بن عمر فقیہ نے بیان کیا ان سے امام طحاوی نے، طحاوی کہتے ہیں کہ قاضی محمد بن عبدہ ہر جمعرات کی شام کو فقہاء اور محدثین کے لیے مجلس قائم کرتے تھے، جب مجلس ختم ہوتی اور مغرب کی نماز پڑھ لیتے تو صرف ضرورت مند رہ جاتے، بقیہ لوگ چلے جاتے۔

ایک رات ہم نے دیکھا کہ قاضی کے بغل میں ایک شیخ ہیں جن پر طویل عمامہ ہے جن کی بہترین داڑھی ہے، لیکن ہم ان کو پہچانتے نہیں تھے، مجلس کے ختم ہونے کے بعد قاضی صاحب نے نماز پڑھ کر فرمایا کہ ابو سعید یعنی فاریابی اور ابو جعفر (طحاوی) رہ جائیں (یعنی بقیہ لوگ چلے جائیں)، چنانچہ لوگ چلے گئے پھر قاضی صاحب نماز پڑھنے لگے، جب فارغ ہوئے تو ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، ان کے سامنے چراغ روشن کئے گئے، پھر فرمایا: کچھ بات چیت شروع کرو، ان شیخ نے فرمایا: ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عن أمه عن أبيه کیا روایت کیا، ابو سعید فاریابی تو کچھ نہیں بولے، میں نے کہا: حدثنا بكار بن قتيبة ثنا سفيان عن عبد الأعلى الثعلبي عن أبي عبيدة بن عبدالله عن أمه عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: ان الله ليغار للمؤمنين فليغر۔ [1]

ان شیخ نے فرمایا تم کو معلوم ہے کیا کہہ رہے ہو، میں نے کہا: کیا بات ہے؟

انہوں نے کہا کل شام میں نے تم کو دیکھا کہ فقہاء کے ساتھ ان کے میدان میں تھے، آج محدثین کے ساتھ ان کے میدان میں دیکھ رہا ہوں، ایسے کم لوگ ہوتے ہیں جو دونوں میدانوں میں بحث کرتے ہوں، میں نے کہا: یہ اللہ کا فضل اور اس کا انعام ہے، قاضی صاحب کو ان شیخ کی بات بہت اچھی لگی، پھر ہم مذاکرہ میں

---

[1] ابو اسحاق شیرازی کی روایت میں ہے کہ طحاوی رحمہ اللہ علیہ نے یہ روایت دو سندوں سے بیان کی، ایک مرفوع دوسری موقوف۔ (لسان المیزان: ج ۱ ص ۲۷۶)

مشغول ہو گئے۔ (لسان المیزان: جلد:۱ صفحہ: ۲۷۸)

کوثری اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ ابو سعید محمد بن عقیل فریابی ہیں جو امام مزنی کے شاگرد اور کبار فقہاء شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں، امام طحاوی جیسے تبحر فی العلوم کے سامنے سکوت کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا، اسی وسیع علم کی وجہ سے امام طحاوی ایسی کتابیں لکھ سکے جن کی مثال ان کے ہم عصر علماء کی تالیفات میں نہیں ملتی۔ (الحاوی: صفحہ: ۱۹)

وسعت معلومات کا اثر اُن کی تالیفات میں

نیز کوثری لکھتے ہیں: امام طحاوی نے بحث کا ایک جدید طریقہ اختیار کیا تھا، وہ یہ کہ کسی موضوع پر تمام قسم کی روایات مرفوع، موقوف، مرسل، کسی سلف کا اثر، یا ان میں سے کسی کی رائے مختلف مراتب کی سندوں سے جمع کریں تاکہ ان کے درمیان سے صحیح اور حق کا استخراج کر سکیں، اسی لیے ہر طرح کی روایات جمع کیں، کیونکہ جو صرف صحیح احادیث (فی ظنہ) پر اکتفاء کرے گا وہ علم کو اس کا حق نہیں دے سکے گا، اس لیے کہ روایات، کمی، زیادتی، روایت باللفظ، روایت بالمعنی تطویل واختصار کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، اس لیے کسی محقق کا دل مطمئن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تمام روایات کو نہ دیکھے اور ساتھ ساتھ فقہاء صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی نہ دیکھے، ان سب کے بعد مردود و مقبول کا فیصلہ کرنا آسان ہوگا۔ یہ وہ کام ہے جو طحاوی نے اپنی کتابوں میں کیا ہے، اور اس پر قدرت ان کو اپنے وسیع علم کی وجہ سے مل سکی، اس عظیم خدمت پر مخالفین کے نفس میں ہیجان پیدا ہوا، ان کو رنجش ہوئی اس لیے طحاوی پر الزامات لگائے، لیکن ان الزامات نے (جو جھوٹے تھے) طحاوی کا مرتبہ اور بلند کر دیا، لوگوں کے یہاں اور مقبول ہو گئے اور ان شاء اللہ خدا کے یہاں بھی ہوں گے۔

اگرامام طحاوی میں یہ بلند ہمتی نہ ہوتی تو کسی ایک کتاب پر صحیح اور سنن میں سے اکتفاء کر لیتے اور صرف اسی پر کوئی خدمت کر لیتے اور یہ سمجھ لیتے کہ یہی سارا علم ہے، لیکن قدرت کی طرف سے جو علوم عطا ہوئے تھے انہوں نے قناعت پسندی سے روکا۔

مزید برآں یہ کہ ترجیح روایات میں ان کا ایک حکیمانہ اسلوب ہے وہ یہ کہ ترجیح میں وہ صرف سند کو نہیں دیکھتے اور جال پر جرح کر کے نہیں چلے جاتے۔ بلکہ وہ منصوص احکام کو پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مختلف جزئیات اور فروع میں اصل جامع اور کلی حکم کیا ہے، جب ان کو کوئی روایت ایسی ملتی ہے جو اصل کلی اور نظائر شرعیہ سے شاذ اور الگ معلوم ہوتی ہے تو اس شذوذ کو طحاوی اس خبر اور روایت کے قبول کرنے میں قادح سمجھتے ہیں، اس لیے کہ اصلِ جامع متواتر کے درجہ میں ہے اور کسی ایک راوی کی روایت اتنی طاقت نہیں رکھتی کہ اس سے ٹکرا سکے، اور اپنی حیثیت کو باقی رکھ سکے، طحاوی نے اس حکیمانہ قاعدہ کو اپنی کتابوں میں بہت اچھی طرح جاری کیا ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طحاوی نے قیاس سے ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی ہے یہ صحیح نہیں، میں نے اپنی کتاب **(الاشفاق فی أحکام الطّلاق)** وغیر میں اس کی تشریح کی ہے۔

طحاوی نے صرف نقدِ رجال اور تضعیفِ رواۃ کا طریقہ نہیں اختیار کیا، کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل اور نقاد میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے حتی کہ مشور تر راویان حدیث میں بھی اختلاف موجود ہے، تو ایک قول کے مقابلہ میں دوسرا قول اس کے معارض پیش کیا جاسکتا ہے، طحاوی نے اس کو چھوڑ کر ہمارے اصحاب کا طریقہ اختیار کیا اور وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ خبر میں جو حکم موجود ہے

اس کے موافق اور مخالف دونوں جہتوں میں غور کیا جائے اور نظائر وامثال کو دیکھا جائے پھر فیصلہ کیا جائے، یہ طریقۂ بحث متاخرین کے یہاں متروک تھا لیکن طحاوی کی کتابوں میں پورے آب وتاب کے ساتھ ثابت اور محفوظ ہے۔

فقہ کا طالب جب اس کو پڑھتا ہے تو اس کا ملکۂ تفقہ بڑھ جاتا ہے اور فطری صلاحیتیں اجاگر ہو جاتی ہیں، یہ طریقہ امام طحاوی نے اس لیے نہیں اختیار کیا ہے کہ ان کو رجال کے احوال معلوم نہیں بلکہ وہ اس فن کے ماہر ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال ان کے نوکِ زبان پر ہیں۔

چنانچہ کہیں کہیں اپنی کتابوں میں متعارض حدیثوں پر کلام کرتے ہوئے اس کا مظاہرہ بھی کیا ہے اور اس موضوع پر ان کی کتاب بھی تھی، اگرچہ ہم نے اس کو دیکھا نہیں اس لیے کہ نایاب ہے، لیکن اہل علم نے اس کی تعریف کی ہے اور اہل فن کی کتابوں مین اس کی نقول ہم نے بہت دیکھی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم اس باب میں کثیر تھا، اور ان کی کتاب تاریخ رجال میں بڑی تھی۔

(الحاوی صفحہ ۲۰، ۲۱ باختصار وحذف یسیر)

فقہ واجتہاد میں امام طحاوی کا مقام عالی

ابن زولاق کہتے ہیں کہ میں نے امام طحاوی کے صاحب زادہ علی بن ابی جعفر طحاوی سے سنا، وہ کہہ رہے تھے : میں نے والد صاحب سے سنا کہ ابو عبید بن حربویہ کی فضیلت اور فقہ کو بیان کر رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ ابو عبید مجھ سے مسائل کا مذاکرہ کیا کرتے تھے، ایک دن میں نے ایک مسئلہ میں جواب دیا تو کہا کہ یہ ابو حنیفہ کا قول نہیں ہے، میں نے کہا: اے قاضی! کیا ابو حنیفہ کے تمام اقوال کو میں اختیار کرتا ہوں؟ تو انہوں نے کہا میں تو سمجھتا تھا کہ آپ مقلد ہیں، میں نے کہا مقلد تو

متعصب ہی ہوتا ہے، انہوں نے کہا "یا غبی" چنانچہ یہ جملہ مشہور ہو گیا اور ایک مثل بن گیا لوگوں نے اس کو یاد کر لیا۔ (لسان صفحہ: ۲۸۰، الحاوی صفحہ: ۲۲، مقدمہ کمانی صفحہ: ۵۹)

طحاوی کا یہ جملہ: أَوَ كُلُّ ما قاله أبو حنيفة أقولُ به؟ بتاتا ہے کہ طحاوی کو اجتہاد میں بلند مقام حاصل تھا۔ (مقدمہ کمانی صفحہ: ۵۹)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے فرمایا کہ مختصر طحاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی مجتہد تھے، مذہب حنفی کے مقلد محض نہیں تھے، اس لیے کہ اس میں ایسی باتیں اختیار کی ہیں جو ابو حنیفہ کے مذہب کے خلاف ہیں، ایسا انہوں نے اس لیے کیا کہ ان کے یہاں قوی دلائل سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

(بستان المحدثین اردو صفحہ: ۱۴۵ و تعلیقات سنیہ صفحہ: ۳۱)

ابن کمال پاشا کی تقسیم پر اعتراض

مولانا عبد الحئ فرنگی نے الفوائد البهيه کے حاشیہ التعليقات السنيه میں لکھا ہے کہ طحاوی کو ابن کمال پاشا وغیرہ نے ان لوگوں کے طبقہ میں شمار کیا ہے جو ایسے مسائل میں اجتہاد پر قدرت رکھتے ہیں جن میں کوئی روایت نہیں، اور صاحب مذہب سے اختلاف پر قادر نہیں، نہ اصول میں نہ فروع میں، لیکن یہ بات ابن کمال پاشا وغیرہ کی محل نظر ہے، صحیح بات یہ ہے کہ امام طحاوی کو ایسا بلند مقام حاصل ہے کہ انہوں نے اصول و فروع دونوں میں صاحب مذہب سے اختلاف کیا ہے، جس نے شرح معانی الآثار وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے اس کو معلوم ہے کہ بہت سے مسائل میں صاحب مذہب سے اختلاف کیا ہے جب کہ قوی دلیل ان کو مل گئی، اسلئے حق بات یہ ہے کہ مجتہدین منتسبین میں ہیں جو کسی امام متعین کی طرف منسوب ہوتے ہیں لیکن اصول یا فروع میں تقلید نہیں کرتے اس لیے کہ خود مجتہد ہوتے ہیں، ہاں انہی کا طریقۂ اجتہاد اختیار کرتے ہیں اس لئے ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

اگر اس سے نیچے مانا جائے تو پھر مجتہد فی المذہب کے درجہ میں ہیں یعنی امام مجتہد کے مقرر کئے ہوئے قواعد کی روشنی میں احکام کا استخراج کرتے ہیں، اس سے نیچے کسی حال میں نہیں ہو سکتے اگرچہ بعض لوگوں نے اس سے بھی نیچے کردیا ہے اور بہترین بات شاہ عبد العزیز صاحب کی ہے جو بستان المحدثین میں انہوں نے ذکر کی ہے۔ (وقد مر)۔ (التعلیقات السنیہ صفحہ: ۳۱)

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار کے شروع میں لکھا ہے۔

" کہ ان ابواب میں سے ہر کتاب (باب) میں ناسخ و منسوخ، علماء کی تاویلات، بعض کا بعض کے خلاف استدلال ذکر کروں گا، اور ان میں سے جس کا قول میرے نزدیک صحیح ہوگا اس کے لیے میں کتاب یا سنت یا اجماع یا تواتر سے حجت اور دلیل پیش کروں گا، خواہ صحابہ کے اقوال ہوں یا تابعین کے"۔ (شرح معانی الآثار صفحہ: ۱)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ ہی کے تمام اقوال ذکر کرنے کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ صحابہ اور تابعین کے اقوال میں سے جو دلیل کے لحاظ سے ان کو قوی معلوم ہوگا اس کی تائید کتاب و سنت وغیرہ سے پیش کریں گے، اور ایسا ہی کیا ہے، کہیں امام ابو حنیفہ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کا مذہب اختیار کیا ہے اور بعض جگہوں پر امام صاحب اور صاحبین تینوں سے اختلاف کیا ہے۔ **کما سیجئی ان شاء اللہ تعالی۔**

تنبیہ: علامہ احمد بن سلیمان بن کمال پاشا متوفی ۹۴۰ھ نے اپنے ایک رسالہ میں فقہائے کرام کے سات طبقات شمار کرائے ہیں۔، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالی کو مجتہدین فی المذہب کے طبقہ میں شمار کیا ہے، جو اصول و قواعد میں امام مذہب کے پابند ہوتے ہیں، اور اس کے بعد کے طبقہ میں امام طحاوی وغیرہ کو۔

(دیکھیے رد المحتار جلد: ۱ صفحہ ۵۳، ۵۴ و النافع الکبیر صفحہ: ۴)

علامہ محقق شہاب الدین مرجانی حنفی متوفی ۱۳۰۶ھ نے "**ناظورۃ الحق**" میں، مولانا عبد الحئ فرنگی محل نے **النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر** میں،

علامہ محمد زاہد کوثری نے "حسن التقاضی فی سیرۃ الامام أبی یوسف القاضی" میں اس پر نقد کیا ہے اور بتایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ صاحبین مجتہد مطلق تھے خواہ منتسب ہی سہی، مجتہد فی المذہب نہیں تھے، کیونکہ ان کے اختلافات امام صاحب سے اصول وفروع میں ظاہر وباہر ہیں، امام طحاوی کا اختلاف بھی ظاہر ہے، اس کی تفصیل ہم نے سیرت امام ابو یوسف میں لکھی ہے، خدا کرے وہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو جائے وماذالک علی اللہ بعزیز۔ اب الحمدللہ طبع ہو گئی۔

امام طحاوی کی شان عالی میں علماء امت کے تعریفی کلمات

ابن یونس مورخ مصر نے کہا: طحاوی ثقہ، ثبت، فقیہ، عاقل تھے، اپنے بعد اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ مسلمہ بن قاسم اندلسی نے کہا: طحاوی ثقہ، جلیل القدر فقیہ البدن آدمی تھے، اختلاف العلماء کے عالم تھے، تصنیف میں بصیرت رکھتے تھے، امام ابو حنیفہ کے مذہب پر تھے اور اس میں سخت متعصب تھے۔

ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول کے پابند نہیں تھے، اس لئے مسلمہ کا یہ قول خلاف واقعہ ہے۔ (واللہ اعلم)

ابن عبد البر مالکی نے جامع بیان العلم میں فرمایا: طحاوی کوفہ کے لوگوں کی سیرت اور خبروں کے بڑے عالم تھے اس لیے کہ کوفیین کے مذہب پر تھے اور فقہاء کے تمام مذاہب کے عالم تھے۔ (لسان جلد: ا صفحہ ۲۷۶، مقدمہ امانی صفحہ: ۴۶)

سمعانی نے انساب میں کہا: امام ثقہ، ثبت، فقیہ عالم تھے، اپنا مثل نہیں چھوڑا، ابن الجوزی نے المنتظم میں کہا: ثبت، سمجھدار، فقیہ عاقل تھے، سبط ابن الجوزی نے کہا: طحاوی کی فضیلت، صداقت، زہد، ورع پر سب متفق ہیں۔

ذہبی نے تاریخ کبیر میں کہا: فقیہ محدث حافظ بڑے لوگوں میں سے ایک تھے۔ ثقہ، ثبت، فقیہ عاقل تھے اور تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا: انوکھی تصنیفات والے تھے۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں (صاحب التصانیف المفیدة والفوائد الغزیرة واحد الثقات الاثبات والحفاظ الجهابذة) فرمایا۔

صلاح صفدی نے کہا: کان ثقة نبیلاً مثبتًا فقیهًا عاقلًا لم یخلف بعده مثله۔
یافعی نے مراۃ الجنان میں کہا: فقہ وحدیث میں کمال کو پہونچے اور مفید کتابیں

تصنیف کیں۔

ابن العماد حنبلی نے بھی اسی طرح کی بات کہی، سیوطی نے بھی کہا: كان ثقة ثبتا فقيها لم يخلف مثله، انتهت اليه رياسة الحنفية بمصر۔

ابن تغری نے النجوم الزاہرۃ میں کہا: الطحاوی الفقيه الحنفى المحدث الحافظ أحد الأعلام وشيخ الاسلام وكان امام عصره بلا مدافعة فى الحديث والفقه واختلاف العلماء والأحكام واللغة والنحو وصنف المصنفات الحسان۔

ابن الندیم نے الفہرست میں کہا: وكان أوحد زمانه علما وزهدا ۔

علامہ بدر الدین عینی نخب الافکار میں لکھتے ہیں کہ طحاوی کی ثقاہت، دیانت، امانت اور فضیلت تامہ پر اجماع ہے اور اس پر کہ ان کو حدیث کی علل اور ناسخ ومنسوخ پر ید طولی حاصل تھا، اس میں ان کا کوئی نائب نہیں ہوا، مؤرخین ومحدثین میں سے جس نے ان کا تذکرہ کیا سب نے تعریف لکھی، مثلاً طبرانی، بغدادی، ابو عبد اللہ حمیدی، حافظ ابن عساکر، ابو الحجاج مزی، حافظ ذہبی، ابن کثیر، وغیرہم رحمہم اللہ تعالی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام طحاوی قرآن وحدیث سے استنباط احکام اور فقہ میں اپنے معاصرین سے زیادہ ماہر تھے، اسی طرح ان مصنفینِ صحاح وسنن سے بھی جن کے ساتھ روایت میں شریک ہیں۔

یہ بات دونوں کے کلام میں غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے، امام طحاوی کی کتابیں جو علوم عقلیہ ونقلیہ میں بہت مفید ہیں ہمارے اس دعویٰ کی شاہد عدل ہیں۔

معرفت رجال، روایت حدیث اور شیوخ کی کثرت میں امام طحاوی "عظیم امام ثقہ ثبت حجت ہیں، جیسے کہ بخاری، مسلم اور دیگر اصحاب صحاح وسنن، اس کا پتہ ان کی روایات کی وسعت اور ائمہ مشہورین کے ساتھ انکی مشارکت سے چلتا ہے۔

اھ (کلام العینی)

خفاجی مصری نے شرح شفا میں فرمایا کہ طحاوی امام، جلیل القدر محدث مصری حنفی ہیں، مالکی نہیں ہیں جیسا کہ بعض نے کہا، پہلے شافعی تھے مزنی کے شاگرد پھر حنفی ہو گئے اور مصر میں احناف کے سردار تھے، ان کی عظیم الشان تصنیفات ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا (کمافی العرف الشذی) کہ امام طحاوی امام ابو حنیفہ کے مذہب کے سب سے بڑے عالم ہیں، امام شافعی کے صرف ایک واسطہ سے شاگرد ہیں، امام مالک کے دو واسطوں سے اور امام ابو حنیفہ کے تین واسطوں سے، باب الحج میں امام احمد سے ایک واسطہ سے اجازت ذکر کی ہے۔

طحاوی مجتہد اور مجدد ہیں، ابن الاثیر جزری نے کہا کہ مجدد ہیں، میں کہتا ہوں کہ حدیث کی شرح کرنے، حدیث کے محمل کو بیان کرنے اور سوال وجواب قائم کرنے کے لحاظ سے مجدد ہیں، متقدمین صرف سند و متن کے ساتھ حدیثوں کو ذکر کرتے تھے، (طحاوی نے یہ جدید طریقہ اختیار کیا) اھ کلام الکشمیری۔

(معارف السنن صفحہ ۱۱۴، ماخوذ از مقدمہ امانی الاحبار صفحہ: ۳۶)

امام طحاوی اور جرح وتعدیل

جرح وتعدیل کی کتابوں میں جرح وتعدیل سے متعلق امام طحاوی کا کلام ذکر کیا گیا ہے، شرح معانی الآثار میں بہت سی جگہ امام طحاوی نے رجال پر کلام کیا ہے، مشکل الآثار میں بھی رواۃ پر کلام کیا ہے، امام طحاوی نے تاریخ رجال پر ایک بڑی کتاب بھی تصنیف فرمائی تھی جیسا کہ ابن کثیر، سیوطی، یافعی اور قاری نے ذکر کیا ہے، کرابیسی کی کتاب المدلسین کی تردید لکھی ہے جیسا کہ ابن ندیم اور علی قاری نے ذکر کیا ہے، ابو عبید نے کتاب النسب میں جو غلطیاں کیں اس کی تردید

لکھی جیسا کہ قاری وغیرہ نے ذکر کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام موصوف کو اس میدان میں مہارت تامہ اور مقام عالی حاصل تھا۔

مولانا محمد یوسف کاندھلوی لکھتے ہیں: ائمہ جرح وتعدیل میں سے ابن عدی، ابن یونس اور طبرانی وغیرہ طحاوی کے شاگرد تھے، ہمارے پاس امام طحاوی کی اس موضوع کی کتابیں نہیں ہیں نہ انکے مذکورہ شاگردوں کی تاکہ ان میں ہم امام طحاوی کے اقوال دیکھ سکیں، آج حافظ ابن حجر کی کتابیں ملتی ہیں، لیکن انکا حال معلوم ہے کہ وہ کسی حنفی کو اسکا حق نہیں دیتے جیسا کہ سخاوی جیسے فرمانبردار شاگرد نے صاف صاف کہہ دیا ہے اور محب بن شحنہ نے بھی اسکی شکایت کی ہے، اسی تعصب کی وجہ سے ابن حجر نے مشاہیر محدثین کے تذکرہ میں اسکی تصریح نہیں کہ ان سے طحاوی نے روایت کی اور نہ یہ بتایا کہ ان سے فلاں فلاں نے روایت کیا، ہاں جن کا طحاوی کا شیخ ہونا یا تلمیذ ہونا کتب رجال میں بالکل مشہور تھا اس کو ذکر کیا ہے۔

طحاوی کا تذکرہ حافظ عام طور سے متکلم فیہ رواۃ کے تذکرہ میں کرتے ہیں، کتنے ضعیف رواۃ جن سے طحاوی نے تھوڑی جگہوں پر روایت کی ہے حافظ کہتے ہیں کہ طحاوی نے ان سے بہت روایتیں لی ہیں، اور کتنے ثقہ ثبت حجت راوی ہیں جن سے طحاوی نے اپنی کتابوں میں کثرت سے روایت لی ہے لیکن حافظ نے انکے تذکرہ میں اس پر تنبیہ نہیں کی، اسی طرح جرح وتعدیل سے متعلق امام طحاوی کے اقوال کو تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں صرف بعض راویوں کے بارے میں کسی ضرورت کی وجہ سے ذکر کیا ہے، تاہم حافظ کی کتابوں میں طحاوی کے اقوال ہیں تو سہی۔

(پھر مولانا نے تہذیب اور لسان سے کچھ مثالیں پیش کیں اور فرمایا یہ بہت تھوڑے سے اقوال ہیں، شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار میں اس سے بہت زیادہ

اقوال طحاوی کے مذکور ہیں، پھر دونوں کتابوں سے تقریباً سو رجال کے بارے میں طحاوی کے اقوال ذکر کیے، اور فرمایا یہ تھوڑے سے اقوال ہیں، مشکل الآثار میں بہت سی جگہ تم طحاوی کا قول پاؤ گے جس میں وہ راویوں پر کلام بھی کرتے ہیں اور بعض حدیث کو بعض پر فن حدیث کی رو سے ترجیح دیتے ہیں، مبہم کی تفسیر کرتے ہیں، تدلیس کی وضاحت کرتے ہیں، حدیث کی علتوں اور باریک باتوں کو بیان کرتے ہیں پھر مختلف حدیثوں کے محمل اور مصداق کو متعین کرتے ہیں، اور ایسی تطبیق دیتے ہیں کہ آثار میں اختلاف اور تضاد ختم ہو جاتا ہے)۔

خطیب بغدادی نے بھی امام طحاوی کے اقوال کو اپنی تاریخ میں رجال پر کلام کرتے وقت ذکر کیا ہے، حق یہ ہے کہ امام طحاوی اس فن کے اکابر علماء میں سے ہیں اور اوپر جو اقوال ائمہ فن کے آپ دیکھ چکے ہیں وہ بالکل حق اور سچ ہیں اور مبنی بر انصاف ہیں۔

جس نے امام طحاوی کو مجروحین اور متکلم فیہ لوگوں میں شمار کیا ہے اس نے ظلم کیا اور تعصب سے کام لیا ہے، وہ یا تو طحاوی سے جاہل ہے یا جاہل بنتا ہے، اسی طرح وہ بھی جس نے کہا کہ طحاوی اہل علم کی طرح احادیث پر نقد نہیں کرتے، یا یہ کہا کہ اپنی رائے کی وجہ سے ضعیف کو صحیح اور صحیح کو ضعیف قرار دیتے ہیں، یہ تمام باتیں فضول اور بے کار ہیں، طحاوی اس طرح کے الزامات سے بَری ہیں جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ امام طحاوی پر رحم فرمائے، اپنی بے انتہا رحمتوں سے نوازے، ایسی حالت میں ملے کہ دونوں ہنس رہے ہوں اور بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔

(مقدمہ امانی الاحبار صفحہ: ۳۸ تا ۵۰)

امام طحاوی پر اعتراضات اور ان کے جوابات

امام طحاوی پر بعض لوگوں نے بے جا اعتراضات بھی کئے، ان میں امام بیہقی، ابن تیمیہ، اور ابن حجر وغیرہ ہیں، ابن حجر کی باتوں کا جواب گزر چکا ہے۔

امام بیہقی کا کلام اور اس کا جواب

امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب معرفۃ (معرفۃ السنن والآثار صفحہ ۲۳۰) میں مس ذکر کی حدیث پر طحاوی کا کلام نقل کرنے اور اس کی تردید کرنے کے بعد کہا کہ میں نے چاہا کہ ان کی غلطی اس باب میں بیان کروں اور اس طرح کی ان کی بہت سی غلطیوں پر خاموش رہا...... بہر حال انہوں نے اپنے کلام میں بیان کیا کہ فن حدیث ان کا موضوع نہیں تھا۔ بس محدثین سے کچھ باتیں لے لیں پھر اس کو اچھی طرح مضبوط نہیں کیا۔ اھ (معرفۃ السنن صفحہ: ۲۳۰، لسان المیزان جلد: ۱ صفحہ: ۲۷۷)

حافظ نے اس کو نقل کر کے خاموشی اختیار کی گویا اس پر راضی ہیں۔

علامہ عبد القادر قرشی متوفی ۷۷۵ھ الجواہر المضیئہ میں لکھتے ہیں کہ بیہقی کی تین کتابیں سنت میں ہیں۔

۱۔ السنن الکبری ۱۵/ جلدوں میں۔

۲۔ معرفۃ السنن والآثار تین جلدوں میں [1]

۳۔ سنن صغیر ایک جلد میں۔

بیہقی نے اوسط یعنی معرفۃ السنن والآثار کے شروع میں لکھا ہے کہ جب میں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تو ایک شخص ابو جعفر طحاوی کی کتاب لایا، اس میں انہوں نے بہت سی ضعیف حدیثوں کی اپنی رائے کی وجہ سے تصحیح کی اور بہت سی

---

[1] سنن کبری دس جلدوں میں طبع ہوئی ہے اور معرفۃ السنن والآثار سات جلدوں میں۔ ۱۲ فضل

صحیح حدیثوں کی تضعیف۔ (جلد:۱صفحہ ۱۲۹)

بیہقی نے ایسا ہی کہا حالانکہ طحاوی (معاذ اللہ) اس سے منزہ ہیں، طحاوی کی وہ کتاب (شرح) معانی الآثار سے مشہور ہے، میں نے اس کی سندوں پر کلام کیا ہے اور اسکی حدیثوں اور سندوں کو کتب ستہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور دوسری کتب حدیث کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کا نام **الحاوی فی بیان آثار الطحاوی** رکھا ہے، یہ کام میں نے اپنے شیخ علامہ حجت قاضی القضاۃ علاؤالدین ماردینی کے اشارہ سے کیا ہے، ان سے بعض امراء نے کہا کہ ہمارے پاس طحاوی کی کتاب ہے جب اس کی حدیثیں ہم اپنے مخالفین کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف بخاری اور مسلم کی حدیثیں سن سکتے ہیں۔

علامہ ماردینی نے فرمایا کہ طحاوی کی اکثر حدیثیں بخاری، مسلم، سنن وغیرہ حفاظ حدیث کی کتب میں موجود ہیں، تو امیر نے کہا کہ آپ اس کی حدیثوں کی تخریج کردیجئے اور اسکی حدیثوں کو ان کتب کی طرف منسوب کردیجیے، علامہ نے فرمایا، مجھے تو فرصت نہیں لیکن میرے پاس میرے شاگردوں میں ایک شخص ہے جو اس کام کو کر سکتا ہے، آپ اس کی مدد کریں، امیر نے مجھے بہت سی کتابیں عنایت فرمائیں، جیسے حافظ مزی کی اطراف، تہذیب الکمال اور دوسری کتابیں، میں نے ۷۴۰ (سنہ ۷۴۰ھ) میں اس کام کو شروع کیا، میرے شیخ قاضی القضاۃ نے ایک چھوٹی سی کتاب سے میری مدد فرمائی جس میں امام طحاوی کے شیوخ کے نام تھے، اور فرمایا: میری طرف سے یہی کافی ہے، مجھ کو اس سے بہت فائدہ ہوا۔

میں نے دیکھا کہ امام طحاوی امام مسلم کے بعض شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں، جیسے یونس بن عبد الاعلی، میں نے دیکھا کہ بہت سی حدیثیں طحاوی یونس بن عبد الاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں اور مسلم بھی اس حدیث کو اسی طرح بعینہ اسی سند سے ذکر کرتے ہیں۔

واللہ میں نے کتاب طحاوی میں وہ بات نہیں پائی جو بیہقی نے طحاوی کی طرف منسوب کی ہے۔

دوسری طرف ہمارے شیخ علاؤ الدین ماردینی نے بیہقی کی سنن کبیر پر ایک عظیم نفیس کتاب لکھی جس میں یہ بتایا کہ بیہقی نے جو الزام طحاوی پر لگایا ہے (جب کہ وہ اس سے بری ہیں) خود ان جرائم کا ارتکاب سنن کبیر میں کیا ہے، اپنے مذہب کے موافق ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں ضعیف راوی ہوتا ہے اس کی توثیق کرتے ہیں، اور ہمارے مذہب کی کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں وہی راوی ہوتا ہے لیکن یہاں اس کی تضعیف کرتے ہیں، ایسا بہت سی جگہوں پر کیا ہے، اور ان دونوں عملوں کے درمیان (کہیں) صرف دو یا تین ورق کا فصل ہے، (اس کتاب کا نام **الجوهر النقي في الرد علی سنن البيهقي** ہے، پہلے الگ سے چھپی تھی پھر حیدرآباد سے سنن کے ساتھ چھپی ہے)، یہ کتاب لوگوں کے پاس موجود ہے جس کو ہماری بات میں شک ہو اس کتاب کو دیکھ لے۔

ہمارے شیخ کی کتاب عظیم کتاب ہے، اگر پہلے حفاظ اس کو دیکھتے تو درخواست کرتے کہ اپنی زبان کا بوسہ لینے کی اجازت دیں جس سے ان کلمات کا تلفظ کیا ہے۔

جیسے ابو سلیمان دارانی نے امام ابوداؤد صاحب السنن سے درخواست کی تھی کہ اپنی زبان باہر نکالیں تا کہ وہ اسکا بوسہ لیں۔ (**انتهى كلام القرشي في الجواهر المضية في طبقات الحنفية** جلد ۲ صفحہ ۴۳۱ بحذف واختصار، مقدمہ امانی الاحبار صفحہ ۵۵، الحاوی صفحہ ۲۵)

انقانی شارح ہدایہ نے قضاء مریض کے مسئلہ میں طحاوی اور مشائخ کا اختلاف ذکر کیا اور طحاوی پر اعتماد کر کے مشائخ کی تردید کی اور لکھا کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ طحاوی پر نکیر کی جائے اس لئے کہ وہ امین ہیں، ان کے پاس کثیر علم ہے، مجتہد اور پرہیزگار ہیں، مذاہب وغیرہ کی معرفت میں ان کو اونچا مقام حاصل ہے، انہوں

نے جو کچھ ذکر کیا ہے ثبوت کے بعد کیا ہے، اس لیے بہت بعد کے لوگوں کو ان پر اعتراض کرنے سے کچھ فائدہ نہیں، کیونکہ یہ لوگ ان کے درجہ کو نہیں پہنچے، اگر تم کو طحاوی کے بارے میں شبہ ہو توان کی شرح معانی الآثار دیکھ لو، ہمارا مذہب تو کیا کسی بھی مذہب میں ایسی کتاب موجود ہے؟

اتقانی نے پھر بیہقی کا کلام ذکر کیا اور فرمایا بلاشبہ یہ اس امام کا اس استاذ پر بے جا حملہ ہے جس پر مشائخ نے اعتماد کیا ہے۔ (مقدمہ امانی صفحہ: ۵۵)

علامہ ابن تیمیہ م ۷۲۸ھ کا کلام اور اس کا جواب

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اسماء بنت عمیس کی یہ حدیث دو طریق سے ذکر کی کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ حضرت علی کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو رہے تھے آپ ﷺ پر وحی آرہی تھی، (اس میں دیر ہوئی) حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی حتی کہ آفتاب غروب ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا: علی! نماز پڑھ لی؟ حضرت علی نے جواب دیا نہیں، آپ ﷺ نے دعاء فرمائی: یا اللہ علی آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت میں تھا آفتاب واپس کر دیجئے، اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ غروب ہوا تھا پھر طلوع ہوا اور پہاڑ اور زمین پر دھوپ آئی، یہ واقعہ صہباء کا ہے۔ اھ [1]

یہ ردّ شمس کی حدیث کہلاتی ہے اس سے حضرت علی کی فضیلت اور منقبت ثابت ہوتی ہے، ایک شیعہ [2] نے اس حدیث کو حضرت علی کی فضیلت کے لیے پیش کیا، علامہ ابن تیمیہ نے اس شیعہ کی تردید کے لئے اپنی مشہور کتاب "منہاج السنة" لکھی، کتاب بہت عمدہ ہے لیکن اپنے لوگوں نے بھی یہ

---

[1] یعنی غزوۂ خیبر کے موقع پر تنزیہ الشریعہ ج:۱ص:۳۷۹

[2] اس کا نام حسن بن علی بن یوسف بن علی بن المطہر الحلی تھا، متوفی ۷۲۶ھ شیعیت کا بڑا لیڈر تھا۔

شکایت کی ہے کہ ابن تیمیہ نے اس کتاب میں عمدہ اور معتبر احادیث کو بھی ساقط کردیا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "وقد أطنب فيه وأسهب وأجاد فى الرد الا أنه تحامل فى مواضع عديدة ورد أحاديث موجودة وان كانت ضعيفة بأنها مختلقة". (الدرر الكامنة جلد: ۲ صفحه: ۱۸۸)

نیز لکھتے ہیں: لكن وجدته كثير التحامل الى الغاية فى رد الأحاديث التى يوردها ابن المطهر وان كان معظم ذالك من الموضوعات والواهيات لكنه رد فى رده كثيراً من الأحاديث الجياد التى لم يستحضر حالة التصنيف مظانها لانه كان لا تساعه فى الحفظ يتكل على ما فى صدره والانسان عامد (كذا فى الاصل ولعله عائذ) للنسيان وكم من مبالغة لتوهين كلام الرافضى أدته الى تنقيص على رضى الله عنه الخ۔ (لسان الميزان جلد:٦ صفحه ٣٢٠)

ابن تیمیہ نے اس کتاب میں اس حدیث کی تردید کرتے ہوئے امام طحاوی کے بارے میں یہ لکھا:

ليست عادته نقد الحديث كنقد أهل العلم ولهذا روى فى شرح معانى الآثار الأحاديث المختلفة وانما رجح ما يرجحه منها فى الغالب من جهة القياس الذى رآه حجة ويكون أكثره مجروحا من جهة الاسناد ولا يثبت فانه لم يكن له معرفة بالاسناد كمعرفة أهل العلم به وان كان كثير الحديث فقيها عالما، اهـ۔

مولانا عبدالحئ فرنگی ؒ اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

قلت فيه بعض مبالغة كعادته- (الفوئد البهية صفحه: ٣٤)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کے یہاں مبالغہ اور غلو ہوا کرتا تھا۔

بہر حال ابن تیمیہ نے طحاوی کے بارے میں یہ اس لیے لکھ دیا کہ انہوں نے مذکورہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کردی اور اس کی تردید و تضعیف نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ **هذان الحديثان ثابتان ورواتهما ثقات** اھ۔ (اللآلی جلد:۱ صفحہ:۳۳۶)

ابن تیمیہ سے پہلے ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اس حدیث کو موضوعات میں داخل کیا تھا، اور کہا تھا: **حديث رد الشمس في قصة علي موضوع بلا شك**، اور وجہ یہ بیان کی کہ ایک سند میں فضیل بن مرزوق ہے جو ضعیف راوی ہے، ابن حبان نے کہا کہ موضوعات روایت کرتا ہے، اور دوسرے میں ابن عقدہ رافضی ہے جو کذب سے متہم ہے۔ (دیکھیے اللآلی المصنوعۃ للسیوطی جلد:۱ صفحہ: ۳۳۶ اور تذکرۃ الموضوعات للفتنی صفحہ:۹۶ ومقدمہ امانی صفحہ:۵۶)

ابن الجوزی سے قبل امام احمد نے بھی اس حدیث کے متعلق یہ کہا تھا: **لا اصل له** (دیکھیے المقاصد الحسنۃ صفحہ: ۳۶۵ اور الموضوعات الکبری للقاری صفحہ: ۱۲۸)

الفوائد المجموعۃ للشوکانی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ طحاوی کی مشکل الآثار میں یہ بحث جلد ۲ صفحہ ۸ تا صفحہ ۱۴ میں ہے، اس میں: **هما ثابتان ورواتهما ثقات** کی عبارت نہیں ہے۔ (صفحہ: ۳۵۵) **واللہ اعلم**

ابن تیمیہ کا جواب

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس حدیث کی صحت مختلف فیہ ہے، امام احمد، ابن الجوزی اور ابن تیمیہ نیز ان کے متبعین اس کو موضوع اور غیر ثابت کہتے ہیں، لیکن طحاوی اور دیگر بہت سی محدثین اس روایت کو قابل اعتبار مانتے ہیں، اس طرح کا اختلاف بہت سی حدیثوں میں ہے، لیکن اس کی وجہ سے ابن تیمیہ نے جو حملہ کیا ہے

اور یہ لکھ دیا ہے کہ طحاوی نقاد نہیں تھے اور محدثین کی طرح اسناد کا علم ان کو نہیں تھا۔اور اکثر و بیشتر ضعیف احادیث کو قیاس کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں ۔اھ

یہ ابن تیمیہ کی زیادتی ہے، امام طحاوی کی کتابیں، جرح و تعدیل پر ان کا کلام، تاریخ پر ان کی بڑی کتاب اور جرح و تعدیل کی کتابوں میں ان کے اقوال کا نقل ہونا، محدثین کا ان کو اکابر محدثین میں شمار کرنا یہ سب ابن تیمیہ کی تغلیط کے لیے کافی ہیں ۔

طحاوی کے فیصلہ سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس حدیث کی وجہ سے ان کو ائمہ فن سے نہیں نکالا جاسکتا، آیئے دیکھیے اکثر محدثین نے طحاوی کا ساتھ دیا ہے یا ابن الجوزی اور ابن تیمیہ کا؟

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں داخل کر کے غلطی کی، اسی طرح ابن تیمیہ نے بھی روافض کی تردید میں اس کو موضوع خیال کرنے میں غلطی کی۔اھ (مقدمہ امانی صفحہ ۵۶)

سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے امام احمد اور ابن الجوزی کا قول و عمل ذکر کرنے کے بعد لکھا: ولكن صححه الطحاوي وصاحب الشفا (القاضي عياض) وأخرجه ابن مندة وابن شاهين من حديث أسماء بنت عميس وابن مردويه من حديث أبي هريرة. (مقاصد حسنہ صفحہ ۳۶۶)

ابن تیمیہ وغیرہ کا تذکرہ نہیں کیا۔

امام سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے اللآلی المصنوعہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۶ میں جوزقانی اور ابن الجوزی کا کلام ذکر کر کے اسکا جواب دیا ہے، ایک سند میں فضیل بن مرزوق ہیں، ابن الجوزی نے کہا: فضيل ضعّفه يحيیٰ ، و قال ابن حبان يروي

الموضوعات [1] ویخطیٔ علی الثقات اھ

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام سیوطی نے کہا: فضیل ثقہ اور سچے ہیں، مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے تخریج کی ہے اور سنن اربعہ کے مصنفین نے بھی۔

ایک دوسری سند میں عبدالرحمٰن بن شریک ہیں، اس روایت کو ابن شاہین نے ذکر کیا ہے، ان کے استاذ احمد بن محمد بن سعید ہمدانی ہیں جو ابن عقدہ سے مشہور ہیں ابن الجوزی نے کہا: عبدالرحمٰن کو ابو حاتم نے واہی الحدیث کہا ہے اور ابن عقدہ رافضی ہے جو کذب سے متہم ہے اور اس حدیث کے بارے میں اسی پر اتہام ہے۔

اس اعتراض کا امام سیوطی نے جواب دیا کہ عبدالرحمٰن کو اگرچہ ابو حاتم نے کمزور بتایا ہے لیکن دوسرے لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے، امام بخاری نے الادب المفرد میں ان سے روایت لی ہے، اور ابن عقدہ کبار حفاظ میں ہیں، لوگوں کا ان کے بارے میں اختلاف ہے، کوئی تعریف کرتا ہے کوئی مذمت، دار قطنی نے کہا: جس نے ان کو کذب سے متہم کیا وہ خود جھوٹا ہے (یعنی یہ بات غلط ہے کہ وہ متہم بالوضع ہیں)، حافظ ابو علی نے کہا کہ ابو العباس (ابن عقدہ) امام حافظ ہیں، ان کا مقام اسکی طرح ہے جو تابعین اور تبع تابعین کے متعلق معلوم کرتا ہو: أبو العباس امام حافظ محله محل من يسئل عن التابعين وأتباعهم - (اللآلی بلفظہ صفحہ ۳۳۷، لسان المیزان صفحہ: ۲۶۵)

فلا يسئل عنه أحد من الناس. (۱۲، أيضًا)

ایک تیسری سند میں داؤد بن فراہیج کو ابن الجوزی نے کہا کہ ضعیف ہیں، شعبہ نے ان کی تضعیف کی ہے، سیوطی نے کہا کہ ایک قوم نے تضعیف کی تو دوسری قوم نے توثیق کی ہے (یعنی مختلف فیہ ہیں، اس سے حدیث موضوع نہیں ہوتی)۔

---

[1] ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں یہ کہا ہے "یروی عن عطیۃ الموضوعات" (حاشیہ الفوائد المجموعہ للشوکانی ص: ۳۵۳ یہاں عطیہ نہیں ہے۔ ۱۲ فضل

پھر سیوطی نے لکھا کہ اس حدیث کو ائمہ اور حفاظ کی ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے، پھر قاضی عیاض اور طحاوی کا نام لیا۔(دیکھیے اللآلی المصنوعہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۶، ۳۳۷)

پھر سیوطی نے اس موضوع پر ابو الحسن شاذان فضلی کا ایک مستقل جزء بھی پایا جس کو جلد ۱ صفحہ ۳۳۸ سے صفحہ ۳۴۱ میں نقل کیا، اور اخیر میں لکھا کہ اس واقعہ کی صحت کا پتہ امام شافعی وغیرہ کے اس قول سے بھی چلتا ہے کہ جتنے معجزات دیگر انبیاء کو دیئے گئے وہ سب یا اس سے بھی اعلیٰ ہمارے نبی ﷺ کو دیئے گئے اور حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے جبارین سے قتال کے وقت سورج کا ٹھہر جانا ثابت ہے، اس لیے ہمارے نبی ﷺ کے لیے کوئی واقعہ اس طرح کا ہونا چاہیے، یہ واقعہ اسی طرح کا ہے۔(اللآلی جلد:۱ صفحہ:۳۴۱)

ابن عراق کنانی متوفی ۹۶۳ھ نے تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة میں سیوطی کا کلام نقل کیا، اسکے بعد ذہبی کا قول اس حدیث کی صحت کے انکار میں ذکر کر کے اس کا جواب دینے کی کوشش کی اور اس کیلئے حافظ ابن حجر کا قول بھی تائید میں پیش کیا۔(دیکھیے کتاب مذکور کا جلد:۱ صفحہ:۳۷۸ تا صفحہ ۳۸۲)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی اس حدیث کو معتبر ماننے کے حق میں ہیں۔

محمد بن طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے تذکرۃ الموضوعات میں ابن الجوزی کی ذکر کردہ جرحیں ذکر کیں، اور وہی جواب دیا جو سیوطی نے دیا تھا، اور ابن عقدہ کے بارے میں لکھا ہے: من كبار الحفاظ وثقه الناس وما ضعّفه الاعصرى متعصب و الحديث صرح جماعة بتصحيحه: منهم القاضى عياض، پھر سیوطی اور سخاوی کا کلام ذکر کیا جو گزر چکا ہے۔(دیکھیے صفحہ ۶۹)

اور اس حدیث کی صحت کی پوری تائید کی۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے موضوعات کبری (الأسرار المرفوعة فی

الأخبار الموضوعة) میں تقریباً وہی الفاظ لکھے جو سخاوی نے لکھے ہیں پھر لکھا ہے: أقول ولعل المنفی ردها بامر علی والمثبت بدعاء النبیﷺ و تفصیله فی السیر. (صفحہ ۷۳ و صفحہ ۱۲۸)

اور طحاوی کی روایت میں آنحضرت ﷺ کی دعا ہی سے واپس آنا مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری بھی اس حدیث کو معتبر مانتے ہیں۔

محدث عجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے کشف الخفاء و مزیل الالباس میں امام احمد کا قول لا اصل لہ اور ابن الجوزی کا قول موضوع نقل کیا پھر لکھا :

لکن خطأوه ،ومن ثم قال السیوطی أخرجه ابن مندة وابن شاهین من أسماء بنت عمیس وابن مردویه عن أبی هریرة واسنادهما حسن وصححه الطحاوی والقاضی عیاض .

پھر قاری کا مذکورہ قول ذکر کیا پھر عمدۃ القاری اور فتح الباری سے بحوالہ طبرانی، حاکم بیہقی فی دلائل النبوۃ حدیث کا متن ذکر کیا اور لکھا کہ :

قال الطحاوی وکان أحمد بن صالح یقول لا ینبغی لمن سبیله العلم أن یتخلف عن حفظ حدیث أسماء لأنه من أجلّ علامات النبوة قال وهو حدیث متصل ورواته ثقات واعلال ابن الجوزی له لا یلتفت الیه.اه . (کشف الخفاء صفحه ۲۲۰ نیز دیکھیے صفحه: ٤٢٨)

شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة میں سیوطی کا کلام ذکر کیا یعنی ابن الجوزی کی جرحیں اور سیوطی جیسا جواب اور اخیر میں لکھا: وقد ذکر له صاحب اللآلی طرقا وألف فی ذالک جزءًا، صفحہ ۳۵۵ اس آخری کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے (اسی طرح جوابات کے ذکر سے) کہ شوکانی

بھی اس حدیث کے اعتبار کی طرف مائل ہیں باوجودیکہ شوکانی کو ابن تیمیہ سے بہت مناسب ہے لیکن ان کا یا ان کی بات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ موضوعات کے یہ مصنفین تمام کے تمام ابن الجوزی اور ابن تیمیہ سے اختلاف رکھتے ہیں، طحاوی اور قاضی عیاض سے اتفاق اور انہی کی تائید کر رہے ہیں۔

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے مشکل الآثار کے دونوں طریق کے رجال کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال ذکر کر دیئے ہیں جن کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس روایت کو موضوع کہنا کسی طرح صحیح نہیں (صفحہ ۱۵۷)، اور یہ روایت جس طرح حضرت اسماء بنت عمیس سے مروی ہے اسی طرح ابوہریرہ حسین بن علی، علی بن ابی طالب، ابوذر غفاری وغیرہم سے بھی مروی ہے۔ جیسا کہ اللآلی المصنوعۃ سے معلوم ہوتا ہے اور طرق بھی متعدد ہیں اسلئے طحاوی نے اگر اس کو معتبر مان لیا ہے تو اس سے ان کی فن کی مہارت اور امامت سلب نہیں ہو جاتی، بہت سی حدیثوں کے بارے میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے کسی کے یہاں معتبر تو دوسرے کے یہاں غیر معتبر، لیکن اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ اس محدث کو اسناد کی معرفت نہیں، یا اہل علم کی طرح اس کو نقد کرنا نہیں آتا، ابن تیمیہ نے ایسا لکھ کر طحاوی کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ واللہ اعلم

استاذ عبد القاہر تمیمی کا اعتراض اور اس کا جواب

استاذ ابو منصور عبد القاہر تمیمی نے ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی کی کتاب کی تردید لکھی ہے، اس میں یہ لکھ دیا ہے کہ محمد بن جریر طبری نے امام شافعی

کے اصول کے مطابق ایک جامع کتاب، شروط پر تیاری کی تھی، امام طحاوی نے ان کی کتاب میں سے چوری کر کے ان کی باتیں اپنی کتاب الشروط میں لکھ دیں، اور ایسا ظاہر کیا کہ یہ اہل الرائے کی منتخب باتیں ہیں۔ اھ (کلام التمیمی)

یہ طحاوی پر چوری کا الزام ہوا، طحاوی کی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی کما مر، اور ابن جریر طبری کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔

کوثری نے اس کے جواب میں فرمایا: ان تمیمی کے بارے میں انکے ہم مذہب امام رازی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مخالفین سے وہ سخت تعصب رکھتے تھے اور مشکل تھا کہ ان کا مذہب صحیح نقل کریں، تمیمی نے طحاوی کے بارے میں جو بات کہی ہے اس سے امام رازی کی بات کی صحت ظاہر ہوتی ہے (یعنی تعصب کی وجہ سے یہ بات کہہ دی ہے، واقعہ ایسا نہیں ہے)، رازی کی اس بات کے لیے دیکھیے رازی کا رسالہ: اہل ماوراء النہر کے ساتھ ان کے مناظرے میں۔

واقعۃ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا ابن جریر طبری مصر میں رہتے تھے؟ کہ طحاوی ان کی کتاب میں سے چوری کر لیتے، طحاوی کی کتاب تو فقہ حنفی کے مطابق ہے، کیا چوری کی ہوئی کتاب بھی اسی مذہب پر تھی، اگر طبری نے کتاب لکھی ہوگی تو وہ ان کے خاص مذہب پر رہی ہوگی اس لیے کہ وہ مجتہد تھے، نہ ابو حنیفہ کے مذہب پر رہی ہوگی نہ امام شافعی کے مذہب پر۔

ابن جریر ایک مدت تک طبرستان میں رہے اور ایک مدت تک بغداد میں، مصر سے یہ دونوں جگہیں دور ہیں، ان دونوں کی وفات میں زیادہ فصل بھی نہیں ہے کہ چوری چھپ سکے، نیز ابن جریر کی کتاب جس کا نام **أمثلة العدول** بتایا جاتا ہے کہیں موجود نہیں، صرف تراجم کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، جبکہ طحاوی کی شروط پر لکھی ہوئی کتابیں: صغیر، متوسط، کبیر معروف و مشہور ہیں۔

نیز طبری طبرستان میں لمبی مدت تک رہے، جب بغداد آئے تو سلطان الحشویہ کے ماتحت مغلوب تھے، لوگ ان کے گھر پر پتھر مارتے تھے، اپنی جان حکومت کے محافظین کے ذریعہ بچارہے تھے، مجبوراً بعض کتابیں مثلاً اختلاف الفقہاء کو دفن کردیا ہو ایسا بھی ہوسکتا ہے، حشویہ کے زمانہ میں علم کے پھیلانے میں آزاد نہیں تھے، اور یہ زمانہ بھی طویل رہا۔

اسکے برخلاف امام طحاوی مصر میں سب کی نگاہ میں مکرم و محترم تھے، چھوٹا بڑا ہر کوئی ان کی تعظیم کررہا تھا، اور طحاوی برابر اپنے علم سے جس میں حدیث، فقہ، توثیق اور شروط بھی تھیں قضاۃ کی مدد کررہے تھے جسکی وجہ سے انکی تصنیفات عالم میں پھیل گئیں، کیا ایسے شخص کو علم شروط میں چوری کرنیکی ضرورت پڑیگی؟

امام طحاوی نے علم شروط کو قاضی بکار، قاضی ابن ابی عمران اور قاضی ابو خازم سے حاصل کیا تھا جو کوفہ، بصرہ اور بغداد کے علم شروط کے ائمہ تھے، قاضی بکار اور قاضی خازم کی اس موضوع پر کتابیں موجود ہیں، احناف سے کوئی علم دور ہو تو ہو لیکن شروط و توثیق کا علم دور نہیں رہ سکتا، وہ امام ابو یوسف کے زمانہ سے اُس علم کے ائمہ ہیں، بلکہ اس سے بھی پہلے سے، اس نوع کے واقعات بھی کتابوں میں درج ہیں۔ (الحاوی صفحہ: ۲۹،۳۰)

امام بخاری کے بارے میں مسلمہ بن قاسم اندلسی نے جب یہ کہہ دیا تھا کہ انہوں نے علی بن المدینی کی کتاب العلل ان کی اجازت کے بغیر نقل کروالی تھی الخ تو حافظ نے فرمایا تھا: (کما فی تھذیب التھذیب) کہ اس قصہ کو رد کرنے اور اس کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں، اسلئے کہ بلاسند ہے۔ الخ

تو اسی طرح امام طحاوی کے اوپر اس الزام کو بھی رد کرنے اور جواب دینے کی ضرورت نہیں، اس طرح کی باتوں سے نہ امام بخاری پر کوئی آنچ آتی ہے اور نہ ان کی عظمت و بزرگی پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ امام طحاوی کی حیثیت مجروح ہوتی ہے نہ ان کی امامت حدیث سلب ہوتی ہے، اس طرح کے بے بنیاد الزامات سے نہ بخاری بچ

سکے نہ طحاوی۔ (مقدمہ امانی صفحہ: ۵۸ معنی)

تالیفاتِ امام طحاوی

امام طحاوی کی تصنیفات جمع و تحقیق کے لحاظ سے بہت عمدہ اور مفید ہیں، علماء محققین اور فقہاء مدققین نے ان کو اچھی نظر سے دیکھا ہے، متاخرین کی بہ نسبت متقدمین نے ان کے ساتھ زیادہ دل چسپی دکھائی ہے، اسی لیے طحاوی کی کتابیں کم زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہیں، بہر حال تالیفات طحاوی کی فہرست یہ ہے۔

ا۔ **شرح معانی الآثار**: (طحاوی)، یہ امام طحاویؒ کی پہلی تصنیف ہے۔ (قالہ القاری) قواعد فی علوم الحدیث صفحہ ۲۶ کے حاشیہ میں اس کتاب کا پورا نام یہ بتایا ہے، **شرح معانی الآثار المختلفة الماثورة**۔

۲۔ مشکل الآثار: اس میں امام طحاوی نے احادیث کے درمیان اختلاف اور تضاد کو دور کیا ہے اور ان سے مسائل کا استخراج کیا ہے، ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ طحاوی کی آخری تصنیف ہے، کوثری نے لکھا ہے کہ مکتبہ فیض اللہ شیخ الاسلام استنبول میں یہ کتاب محفوظ ہے، اس کا نمبر ۲۷۳ سے ۲۷۹ تک ہے، سات ضخیم جلدوں میں ہے، یہ نسخہ صحیح پڑھا ہوا ہے، اس کو ابو القاسم ہشام بن محمد بن ابی خلیفہ نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے، اس کا مقابلہ اور تصحیح ابن السابق نے کی ہے، جن کا تذکرہ سخاوی نے الضوء اللامع میں کیا ہے۔

حیدر آباد ہند سے چار جلدوں میں جو نسخہ چھپا ہے وہ طباعت کی کمزوری کے ساتھ شاید آدھا بھی نہیں ہوگا [1]

اس موضوع پر امام شافعی کی اختلاف الحدیث اور ابن قتیبہ کی مختلف الحدیث ہے، لیکن یہ بہت مختصر کتابیں ہیں، ان کے مقابلہ میں امام طحاوی کی یہ تصنیف

---

[1] یہ کتاب شیخ شعیب الارناؤط کی تحقیق سے سولہ جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔ ۱۲ فضل

نہایت عظیم اور ضخیم ہے، اس کتاب سے امام طحاوی کی عظمت وجلال کا سکہ دل پر بیٹھ جاتا ہے، اس کتاب کا متقدمین نے اہتمام کیا تھا۔

ابو الولید محمد بن رشد (م ۵۲۰ھ) الجد [1] نے اسکا اختصار کیا ہے اور کچھ اعتراضات بھی کئے ہیں، یہ مختصر دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے، پھر اس مختصر کا اختصار قاضی جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن موسیٰ الملطی حنفی نے کیا جو علامہ بدر الدین عینی کے اساتذہ میں ہیں، اس میں انہوں نے ابن رشد الجد کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں، یہ معتصر ہند میں طبع ہوئی ہے، لیکن مؤلف اور مختصر کے مصنف کا نام غلط چھپا ہے، یہ معتصر بھی بہت نفع بخش ہے۔ (الحاوی صفحہ ۳۴)

مشکل الآثار کا اختصار ابن خلف الباجی نے بھی کیا ہے جو برطانیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے، پورا نام..... ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی ہے جو مشہور امام ہیں، بروکلمان کو وہم ہوا تو انکا نام سعید بن خلف لکھ دیا ہے۔

(حاشیہ الحاوی صفحہ: ۳۴)

کوثری نے ایسا ہی لکھا ہے لیکن قاضی جمال الدین یوسف بن موسیٰ ملطی کی المعتصر من المختصر جو ہندوستان سے طبع ہوئی ہے اس کے مقدمہ میں قاضی یوسف بن موسیٰ ملطی نے لکھا ہے کہ مجھے مشکل الآثار کی تلخیص کا خیال تھا اور متردد تھا، اسلئے کہ یہ کام مشکل تھا، یہاں تک کہ مجھے مشکل الآثار کا ایک مختصر مل گیا جسکو حافظ قاضی ابو الولید باجی مالکی نے بہت انوکھے انداز پر مختصر کیا ہے اور اچھی ترتیب کے ساتھ سند کو حذف کر کے ہر نوع کو اسکی نوع کے ساتھ جمع کر دیا ہے، الفاظ بہت کم کئے ہیں، لیکن معانی میں خلل نہیں ہوا ہے، میں نے اس کا خلاصہ کیا اور درمیان میں انکے اعتراضات کے جوابات

---

[1] ان کو الجد اس لیے کہتے ہیں کہ مشہور ابن رشد فلسفی کے دادا ہیں۔ (المنجد اعلام ص: ۱۰)

بھی دے دیئے۔ (مقدمہ معتصر ملخصاً صفحہ:۳)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی یوسف ملطی نے جس مختصر کا اختصار کیا ہے وہ ابو الولید باجی کا مختصر ہے نہ کہ ابن رشد الجد کا، بر خلاف کوثری کی بات کے، اور معتصر کے مصنف کا نام تو یوسف بن موسیٰ ملطی ہی لکھا ہے، البتہ مختصر کے مصنف کا نام جیسا کہ مقدمہ میں ہے ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی لکھا ہے، اس لیے کوثری کی تغلیط محل نظر ہے، باجی کا انتقال ۴۷۴ھ میں ہوا۔

۳۔ **اختلاف العلماء**: یہ تقریباً ایک سو تیس (۱۳۰) جزوں میں تھی، ابو بکر جصاص رازی نے اس کا اختصار کیا ہے، یہی مختصر استنبول میں جار اللہ ولی الدین کے کتب خانہ میں موجود ہے، اصل کتاب میں نے نہیں دیکھی، اور جو حصہ دار الکتب المصریۃ میں موجود ہے وہ مختصر علماء الامصار ابو بکر رازی کا حصہ ہے، غلطی سے اس کو امام طحاوی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس مختصر میں ائمہ اربعہ اور انکے اصحاب کے اقوال مذکور ہیں، نیز ابراہیم نخعی، عثمان بتی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد، ابن شبرمہ، قاضی ابن ابی لیلیٰ اور حسن بن حی وغیرہ قدیم ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی مذکور ہیں، جن کے اقوال کو معلوم کرنا آج بہت ہی مشکل ہے، کاش اصل کو تلاش کر کے شائع کیا جاتا یا مختصر کو یا دونوں کو تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ (الحاوی صفحہ ۳۴، ۳۵) جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ کی یہ مختصر طبع ہو گئی ہے۔

اختلاف العلماء للطحاوی کا تذکرہ بہت سے مؤرخین اور محدثین نے کیا ہے، ابن الندیم نے الفہرست میں لکھا ہے کہ طحاوی کی ایک کتاب "**کتاب الاختلاف بین الفقہاء**" یہ ایک بڑی کتاب ہے جو مکمل نہیں ہو سکی، اس میں اسی (۸۰) کتابیں ہیں جو کتب الاختلاف کی ترتیب کے مطابق مسلسل ہیں۔ (مقدمہ امانی الاحبار صفحہ:۶۱)

۴۔ **أحکام القرآن**: امام طحاوی کی یہ کتاب بیس جزوں میں ہے، قاضی

عیاض الاکمال میں یہ کہہ رہے ہیں کہ تفسیر قرآن میں طحاوی کے ہزار ورق ہیں، قاضی کی مراد یہی کتاب ہے، اس کتاب کا تذکرہ بھی بہت سے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ (مقدمہ امانی صفحہ: ۶۱ والحاوی صفحہ: ۳۵)

۵۔ **کتاب الشروط الکبیر:** یہ کتاب توثیق کے موضوع پر ہے، تقریباً چالیس (۴۰) جزوں میں ہے، اس کا کچھ حصہ مستشرقین نے شائع کیا ہے، اس کتاب کا کچھ حصہ علی پاشا شہید کے کتب خانہ میں ہے، اور دوسرا حصہ مراد ملا کے کتب خانہ میں ہے، لیکن ان دونوں حصوں کے ملانے سے کتاب پوری نہیں ہوتی، یہ دونوں مکتبے استنبول میں ہیں۔ (الحاوی صفحہ: ۳۵)

۶۔ **الشروط الأوسط:** امام طحاوی کی کتاب الشروط الاوسط اور تیسری۔

۷۔ **الشروط الصغیر:** الشروط الصغیر بھی ہے، ان دونوں کا تذکرہ شیخ عبد القادر قرشی نے **الجواهر المضیئة** میں اور ملا علی قاری نے **الأثمار الجنیه** میں کیا ہے۔ (مقدمہ امانی صفحہ: ۶۱)

کوثری لکھتے ہیں کہ طحاوی کی مختصر الشروط (شاید یہ شروط صغیر ہو کیونکہ کوثری نے اس جگہ شروط صغیر کا تذکرہ نہیں کیا ہے، جبکہ پہلے کر چکے ہیں ۱۲) پانچ جزوں میں شیخ الاسلام فیض اللہ کے کتب خانہ (اصطنبول) میں موجود ہے، طحاوی کی کتابیں بتاتی ہیں کہ ان کو علم شروط و توثیق میں بہت کمال حاصل تھا، خواہ اس سے جتنا بھی استاذ عبد القاہر تمیمی کا دل تنگ ہوتا ہو۔ (الحاوی صفحہ: ۳۵)

۸۔ **مختصر الطحاوی:** طحاوی کی یہ کتاب مذہب حنفی میں ایسی ہے جیسے امام مزنی کی مختصر فقہ شافعی میں، یہ کتاب مکتبہ الازہر اور مکتبہ جار اللہ اور مکتبہ فیض اللہ میں آستانہ [1] میں موجود ہے، اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، (اس سے

---

[1] آستانہ استنبول کو کہتے ہیں۔ (المنجد اعلام)، استنبول کے بہت سے نام ہیں۔

اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے) :۔

ا۔ابو بکر جصاص رازی کی شرح یہ سب سے اہم اور قدیم شرح ہے اور روایت ودرایت کے لحاظ سے نہایت ہی ٹھوس اور مضبوط، اس کا کچھ حصہ دار الکتب المصریہ اور باقی مکتبہ جار اللہ آستانہ میں موجود ہے۔

۲۔ابو عبید اللہ حسین بن علی صیمری کی شرح۔

۳۔ شمس الائمہ سرخسی کی شرح،اسکا کچھ حصہ مکتبہ سلیمانیہ میں اور باقی شہزادہ آستانہ میں موجود ہے۔

۴۔ ابو نصر احمد بن محمد الاقطع کی شرح،انہوں نے مختصر قدوری کی شرح بھی لکھی ہے۔

۵۔ابو نصر احمد منصور خجندی اسبیجابی کی شرح،یہ کبیر ہے۔

۶۔ بہاء الدین علی بن محمد سمرقندی کی شرح،یہ صغیر ہے۔

یہ دونوں آستانہ کے کئی کتب خانوں میں موجود ہیں، کبیر، علی پاشا شہید کے مکتبہ میں اور صغیر،بنی جامع کے کتب خانہ میں۔

۷۔احمد بن محمد بن مسعود وَبری کی شرح، ان کے علاوہ بھی شرحیں ہیں۔

(الحاوی صفحہ ۳۵)

امام طحاوی کی یہ مختصر مذہب حنفی میں پہلی مختصر کتاب ہے جس میں اہم مسائل، معتبر روایات مذکور ہیں، امام طحاوی کے پسندیدہ اقوال بھی جو فقہاء کے یہاں قابل اعتماد ہیں اس میں مذکور ہیں۔

کشف الظنون میں ہے کہ مختصر الطحاوی حنفیہ کی فروع میں امام ابو جعفر طحاوی کی تصنیف ہے،ایک کبیر ہے دوسری صغیر،امام مزنی کی مختصر کے طریقہ پر لکھا ہے۔اھ

اس سے معلوم ہوا کہ طحاوی کی مختصر کبیر و صغیر بھی ہے، چنانچہ علامہ عبدالقادر

قرشی نے بھی مختصر الطحاوی کا تذکرہ کرنے کے بعد طحاوی کی مختصر کبیر اور صغیر کا تذکرہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مختصر الطحاوی کے علاوہ یہ دو کتابیں ہیں۔

۹۔ مختصر الطحاوی الصغیر: ۱۰۔ مختصر الطحاوی الکبیر:

ان دونوں کا تذکرہ ابن الندیم نے الفہرست میں کیا ہے، ایسے ہی عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیۃ میں اور ملا علی قاری نے الاثمار الجنیہ میں۔ (مقدمہ امانی صفحہ: ۶۲)

۱۱۔ النوادر الفقهية: یہ کتاب دس اجزاء میں ہے، قرشی اور قاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۲۔ النوادر والحکایات: یہ کتاب بیس اجزاء میں ہے، مذکورہ دونوں نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

۱۳۔ جزء فی أرض مکة:

۱۴۔ جزء فی قسم الفی والغنائم: ان دونوں کا تذکرہ بھی قرشی اور قاری نے کیا ہے۔

۱۵۔ نقض کتاب المدلسین: ابو علی حسین بن علی کرابیسی بغدادی (م ۲۴۵ھ) [1] نے ایک کتاب کتاب المدلسین کے نام سے لکھی تھی، اس میں انہوں نے اپنے مذہبی مخالفین پر لوگوں کی جرحیں ذکر کی تھیں تاکہ صرف وہ اور انکا مذہب زندہ رہے، یہ دشمنانِ اہل سنت کیلئے ایک ہتھیار کا کام دیتی تھی، اسی لیے امام احمد اس پر ناراض تھے، اسکو پسند نہیں کرتے تھے، ابن رجب حنبلی نے شرح علل ترمذی میں اسکو ذکر کیا ہے۔

طحاوی نے اس کی تردید پانچ اجزاء میں لکھی، طحاوی کی یہ خدمت قابل قدر اور

---

[1] یہ کرابیسی حضرت امام شافعیؒ کے مذہب قدیم کے راوی ہیں م ۲۴۵ھ۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۶۳)

مشکور سمجھی گئی، اس لیے کہ کرابیسی کی اس کتاب سے اہل بدعت، اہل سنت اور اہل الحدیث پر طعن کیا کرتے تھے، امام احمد بن حنبل کی طرح ابو ثور وغیرہ نے بھی اس کتاب پر نکیر کی تھی۔

ابو ثور وغیرہ نے کرابیسی سے یہ کہا تھا کہ اس کتاب کو ختم کردیں تو کرابیسی نے کہا کہ میں اس میں اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں، یعنی اس کتاب کی باتوں سے رجوع کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔ (دیکھیے الحاوی صفحہ: ۳۶ اور مقدمہ امانی صفحہ ۶۲)

۱۶۔ کتاب الأشربة: یہ کتاب ہشام رعینی طحاوی کی دیگر کتابوں کے ساتھ مغرب لے گئے تھے۔

۱۷۔ الرد علی عیسیٰ بن أبان: اس کتاب کا نام خطأ الکتب ہے، اور یہ عیسیٰ بن ابان امام محمد کے شاگرد ہیں۔

۱۸۔ الرد علی أبي عبید: ابو عبید نے کتاب النسب میں جو غلطیاں کی تھیں ان کو اس میں بیان کیا ہے۔

۱۹۔ اختلاف الروایات علی مذهب الکوفیین۔

۲۰۔ جزء فی الرزیة۔

۲۱۔ شرح الجامع الکبیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی۔

۲۲۔ شرح الجامع الصغیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی۔

۲۳۔ کتاب المحاضر والسجلات: (الحاوی صفحہ ۳۶، مقدمۂ امانی صفحہ ۶۲)

۲٤۔ کتاب الوصایا۔

۲۵۔ کتاب الفرائض۔

۲۶۔ كتاب التاريخ الكبير: اس کا تذکرہ بہت سے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، ابن خلکان نے کہا کہ طحاوی کی تاریخ کبیر میں نے بہت تلاش کی لیکن نہیں پاسکا، کوئی صاحب علم بھی اس کا پتہ نہ بتا سکا۔ اھ، کتب رجال میں اس کتاب کی نقول بکثرت موجود ہیں۔

۲۷۔ مناقب أبي حنيفة: ایک جلد میں ہے، قرشی اور قاری نے اس کو ذکر کیا ہے، کوثری کہتے ہیں کہ طحاوی کی ایک کتاب "أخبار أبي حنيفة و صاحبيه" ہے اسی کو بعض لوگ مناقب أبي حنيفة کہتے ہیں۔

۲۸۔ كتاب في النحل وأحكامها وصفاتها وأجناسها: اس موضوع پر جو حدیثیں تھیں ان کو بھی جمع کیا ہے، تقریباً چالیس جزوں میں۔

۲۹۔ كتاب اصله كتب العزل:

۳۰۔ كتاب التسوية بين حدثنا وأخبرنا: چھوٹی سی کتاب ہے ایک جزو میں، ابن عبد البر مالکی نے جامع بیان العلم وفضلہ میں اس کی تلخیص کی ہے۔

۳۱۔ كتاب العقيدة: اس کا نام: بيان اعتقاد أہل السنه والجماعة على مذهب فقهاء الملة أبي حنيفة وأبي يوسف الأنصاري ومحمد بن الحسن رحمهم الله تعالیٰ ہے، اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

۱۔ نجم الدین ابو شجاع بکبرس الناصر البغدادی کی شرح، یہ شرف الدمیاطی کے شیخ ہیں۔

۲۔ سراج عمر بن اسحاق الغزنوی المصری کی شرح۔

۳۔ محمود بن احمد بن مسعود القونوی کی شرح۔

۴۔ الصدر علی بن محمد الاذرعی کی شرح۔

یہ شرحیں خزانات اور مکتبات میں کثرت سے پائی جاتی ہیں، ان کے علاوہ بھی

شرحیں ہیں۔ (حاشیہ الحاوی صفحہ ۴۷)

تنبیہ: علامہ کوثری نے حاشیہ حاوی میں لکھا ہے کہ عقیدۃ الطحاوی کی ایک شرح چھپی ہے جس کو ایک حنفی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو مجہول ہے، اور یہ نسبت جھوٹ ہے، اس شارح نے جو باتیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فن سے جاہل اور حشوی ہے۔

لیکن ناشرین نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ شرح ابن ابی العز حنفی کی ہے جن کا نام علی بن علی بن محمد ابن ابی العز ہے جنکی وفات سنہ ۷۹۲ھ میں ہوئی، لیکن ثبوت میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ ناکافی معلوم ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ اس شرح میں بہت سی باتیں ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابوں کی معلوم ہوتی ہیں اور احناف ان عقائد کو نہیں مانتے، اس لیے ممکن ہے کہ کسی نے یہ شرح لکھ کر ابن ابی العز کی طرف منسوب کر دی ہو۔ (واللہ اعلم)

علامہ کوثری نے مذکورہ بالا چار شرحوں کا تذکرہ کیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ ان کے علاوہ بھی شرحیں ہیں، لیکن کسی مطبوعہ شرح کا تذکرہ نہیں کیا تھا سوائے اس شرح کے جس کے مصنف کو مجہول بتایا، وہ وہی شرح ہے جس کو ناشرین نے ابن ابی العز حنفی کی طرف منسوب کیا ہے۔

دوسری مطبوع شرح

عقیدہ طحاوی کی دوسری مطبوعہ شرح علامہ عبد الغنی غنیمی میدانی دمشقی حنفی متوفی سنہ ۱۲۹۸ھ کی ہے جو پہلی بار سنہ ۱۳۹۰ھ سنہ ۱۹۷۰ء میں دار الفکر دمشق سے شائع ہوئی، اور دوسری بھی وہیں سے سنہ ۱۴۰۲ھ سنہ ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی، جس پر محمد مطیع الحافظ اور محمد ریاض المالح کے حواشی بھی ہیں۔

ان دونوں محققوں نے ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، اس مقدمہ میں عقیدۃ

طحاوی کی مذکورہ ذیل شرحوں کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ علامہ منکوبرس نجم الدین یلنقلج ترکی متوفی ۶۲۵ھ کی شرح جسکا نام (النور اللامع والبرهان الساطع ہے)۔ (ہدیۃ العارفین: ۱/۲۳۳)

۲۔ ہبۃ اللہ بن احمد بن معلیٰ ترکستانی شجاع الدین متوفی ۷۳۳ھ کی شرح۔ (بروکلمان جلد: ۱ صفحہ: ۲۶۴)

۳۔ علامہ علی بن محمد بن العز[1] الاذرعی الحنفی متوفی ۷۴۶ھ کی شرح جس کا نام (شرح العقائد للطحاوی) ہے۔ (ہدیۃ العارفین جلد: ۱ صفحہ: ۷۱۹)

دار المعارف مصر سے احمد محمد شاکر کی تحقیق کے ساتھ چھپی ہے (یہی وہ شرح ہے جس کو المکتب الاسلامی بیروت نے شیخ البانی کے مقدمہ اور تعلیق کے ساتھ شائع کیا ہے، اور مصنف کا نام علی بن علی بن محمد ابی العز بتایا ہے)۔ اسی کے بارے میں کوثری کا کہنا ہے کہ یہ نسبت غلط ہے۔ (کمامر)

۴۔ علامہ محمود بن احمد بن مسعود قونوی متوفی ۷۷۱ھ کی شرح جس کا نام (القلائد فی شرح العقائد للطحاوی) ہے۔ (ہدیۃ العارفین: جلد: ۲ صفحہ: ۴۰۹)

۵۔ قاضی القضاۃ عمر بن اسحاق مرغینانی سراج الدین ہندی حنفی متوفی ۷۷۳ھ کی شرح جس کا نام (شرح عقائد الطحاوی) ہے۔ (ہدیۃ العارفین جلد: ۱ صفحہ: ۷۹۰)

اس کا ایک نسخہ مکتبۂ عارف حکمت مدینہ منورہ میں تھا۔

۶۔ علامہ محمد بن ابی بکر الحنفی کی شرح، یہ ابن بنت الحمیری سے معروف تھے، حافظ سخاوی کے شاگرد ہیں (وفات کا سال درج نہیں) اس شرح کی تصنیف سے ۸۸۱ھ میں فارغ ہوئے، شرح کا نام (شرح عقائد الطحاوی) ہے[2]

---

[1] کذافی الاصل۔ ۱۲ نفس مصدر

[2] اس شرح کا ایک نسخہ مؤلف کے قلم سے مکتبۂ آجریہ دمشق میں موجود ہے کل پچاس (۵۰) صفحات ہیں ۱۲ نفس مصدر

۷۔ علامہ محمود بن اسحاق بن ابی اسحاق الحنفی قسطنطینی کی شرح جس کا نام (شرح عقائد الطحاوی) ہے اسکی تصنیف سے مصنف ۹۱۶ھ میں فارغ ہوئے۔
(معجم المؤلفین جلد: ۱۲ صفحہ: ۱۹۳)

۸۔ شرح علامہ عبد الرحیم بن علی الاماسی، جو شیخ زادہ رومی حنفی سے مشہور تھے، انکی وفات ۹۴۴ھ میں ہوئی۔ شرح کا نام (شرح عقائد الطحاوی) ہے۔
(ایضاح المکنون جلد: ۲ صفحہ: ۱۰۳)

۹۔ شرحِ مجہول مؤلف، انہوں نے سیف الدولہ ناصری متوفی ۷۵۸ھ کے حکم سے یہ شرح لکھی ہے۔ (بروکلمان جلد: ۳ صفحہ: ۲۶۵)

۱۰۔ شرح مجہول مؤلف، اس کا ایک نسخہ برنستون میں ۱۵۵ نمبر پر ہے، برلین ۱۹۴۰۔ (بروکلمان جلد: ۳ صفحہ: ۲۶۵)

۱۱۔ شرح مجہول مؤلف، یہ مؤلف حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کے شاگرد ہیں۔

شرح العقیدۃ الطحاویۃ [1] تین بار شائع ہوئی، پہلی دفعہ مکہ مکرمہ سے ۱۳۱۹ھ میں، دوسری مرتبہ مصر سے، تیسری مرتبہ دمشق سے ۱۳۸۵ھ میں۔

۱۲۔ علامہ حسین بن عبداللہ الاقصاری البسنوی متوفی ۱۰۲۵ھ کی شرح، اس کا نام (نور الیقین فی اصو الدین) ہے۔ (بروکلمان جلد: ۳ صفحہ: ۲۶۵)

۱۳۔ علامہ شیخ عبد الغنی غنیمی میدانی حنفی متوفی ۱۲۹۸ھ کی شرح۔

بروکلمان مستشرق نے اپنی کتاب تاریخ الأدب العربی میں اس شرح کا تذکرہ نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح نادر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(از مقدمہ شرح عقیدۃ الطحاوی للمیدانی صفحہ: ۱۰، ۱۱

[1] اس سے مراد شاید وہی شرح ہے جو ابن ابی العز کی طرف منسوب ہے۔ ۱۲ فضل

للمحققَين: محمد مطيع الحافظ ومحمد رياض المالح)

تنبیہ: ۱۔ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴ھ حافظ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ سے بہت متاثر اور انکے مداح تھے،ان کے کسی تلمیذ نے اگر عقیدۃ الطحاوی لکھی ہو گی تو اس میں ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابوں کے اقتباسات ہو سکتے ہیں اس لیے شبہ ہوتا ہے کہ جو شرح ابن ابی العز کے نام سے چھپی ہے وہ کہیں ابن کثیر کے شاگرد کی نہ ہو اور غلطی سے ابن ابی العز کی طرف منسوب ہو گئی ہو،اس شرح میں ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابوں کی باتیں بہت سی جگہوں پر ہیں، جیسا کہ البانی نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔(واللہ اعلم)

تنبیہ: ۲۔اس شرح کے مقدمہ میں شارحین کے جو نام ہیں ان میں اور علامہ کوثری نے جو نام بتائے ہیں ان میں فرق معلوم ہوتا ہے اس کی تحقیق کی ضرورت ہے، بہر حال طحاوی کی اس کتاب کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے لوگوں نے اس کی شرح لکھنے کی طرف توجہ کی۔

شیخ تاج الدین سبکی نے فرمایا کہ عقیدۃ الطحاوی میں جو مسائل ہیں وہ سب ابو الحسن اشعری کے عقیدہ کے مطابق ہیں، صرف تین مسائل میں اختلاف ہے، اشعری کی وفات ۳۲۴ھ میں ہوئی۔

۳۲۔ **کتاب سنن الشافعی** : امام طحاوی نے شروع میں امام مزنی سے امام شافعی کی جو حدیثیں سنی تھیں ان کا یہ مجموعہ ہے، کوثری کہتے ہیں کہ اسی مجموعہ کو سنن شافعی اور سنن طحاوی دونوں ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے،اس کے نسخے نہایت صحیح ہیں،اور ہر زمانہ میں طبقۃ بعد طبقۃ سماعت کی تحریریں بھی اس پر ہیں، ایک نسخہ مکتبۂ ایاصوفیا آستانہ میں بھی ایسا ہی محفوظ ہے، مطبوعہ نسخہ بھی عمدہ ہے۔

علامہ عینی کہتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ تک اکثر لوگ مسند شافعی امام طحاوی کی سند ہی سے روایت کرتے ہیں۔ (الحاوی صفحہ:۶،۷،۳، مقدمہ امانی صفحہ:۶۳)

کوثری کی درخواست

کوثری لکھتے ہیں: ابن مطر نیشاپوری نے بھی امام شافعی کی حدیثیں جمع کی ہیں، انہوں نے ابوالعباس اصم سے، انہوں نے ربیع المرادی سے، انہوں نے امام شافعی سے کتاب الام کے اندر ان حدیثوں کو سنا تھا، لیکن یہ مجموعہ اصلاح وتہذیب کا محتاج ہے، مصر وہند میں اسکے جو نسخے شائع ہوئے ان میں بہت افسوسناک غلطیاں ہیں، علامہ محمد عابد سندھی نے اس کو از سر نو مرتب کیا ہے، مکررات کو حذف کردیا ہے اس کا نام ترتیب **مسند الشافعی** رکھا ہے، ہماری خواہش ہے کہ کوئی اس مرتب مہذب مسند کو شائع کرے تو نفع عام ہو۔ (الحاوی صفحہ:۶)

۳۳۔ **کتاب صحیح الآثار:** کوثری لکھتے ہیں کہ بروکلمان نے لکھا ہے کہ یہ کتاب مکتبہ پانتا میں محفوظ ہے، لیکن میں نے دیکھی نہیں۔ (الحاوی صفحہ:۳۷)

۳۴۔ **شرح المغنی:** حافظ ابن حجر نے اس کتاب سے نقول لی ہیں۔

باب اذا صلّی فی الثوب الوحد فلیَجعَل علی عاتقیه کی شرح میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ طحاوی نے شرح المغنی میں اس کیلئے باب قائم کیا ہے اور ابن عمر پھر طاؤس اور ابراہیم نخعی سے ممانعت ذکر کی ہے۔ اھ (مقدمہ امانی صفحہ:۶۳)

انتباہ: مولانا محمد یوسف صاحب کے پاس فتح الباری کا جو نسخہ تھا شاید اس میں طباعت کی غلطی تھی، ہمارے نسخہ میں شرح المعانی ہے، شرح [1] المغنی نہیں، اور اس سے مراد شرح معانی الآثار ہے، لیکن طحاوی میں طاؤس اور نخعی کی روایتیں موجود نہیں۔ (دیکھیے جلد:۱ صفحہ ۱۸۵ طحاوی)

---

[1] فوائد جامعہ ص:۹۷ میں بھی اس کو طباعت کی غلطی بتایا ہے۔ ۱۲ فضل

ہاں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ یا آنحضرت ﷺ سے موجود ہے۔ واللہ اعلم

عوالی طحاوی

حافظ قاسم بن قطلوبغا نے امام طحاوی کی عالی حدیثوں میں ایک جزء لکھا اور امام طحاوی کی قبر کے پاس پڑھوا کر سنا، لیث بن سعد اور بکار بن قتیبہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا، یہ تینوں مکتبہ برلین میں موجود ہیں جیسا کہ بروکلمان نے ذکر کیا ہے۔

(الحاوی صفحہ: ۳۷)

مقام شرح معانی الآثار للطحاوی اور اس کی خصوصیات

علامہ عینی نے نخب الافکار میں فرمایا:

امام طحاوی کی تالیفات بہت مفید اور عمدہ ہیں، خاص طور سے کتاب معانی الآثار جو غور سے اسکو پڑھے گا اور انصاف کی نظر سے دیکھے گا اسکو یہ کتاب بہت سی مقبول و مشہور کتابوں سے راجح معلوم ہو گی، طحاوی کے کلام اور ترتیب میں غور کرنا چاہیے، اس میں کسی متعصب یا جاہل ہی کو شک ہو سکتا ہے، سنن ابو داؤد، ترمذی کی جامع اور سنن ابن ماجہ وغیرہ پر اسکا رجحان تو اس قدر ظاہر ہے کہ اس میں شک و شبہ کسی جاہل ہی کو ہو سکتا ہے، رجحان کیوجہ یہ ہے کہ معانی الآثار میں استنباط کی وجہوں کا بیان ہے، حدیثوں میں ظاہری معارضہ اور اختلاف ظاہر کر کے ناسخ اور منسوخ کے درمیان تمیز کی جاتی ہے، یا کوئی اور وجہ ترجیح ذکر کی جاتی ہے جس سے معارضہ ختم ہو جاتا ہے، حدیثوں کے باب میں یہی اصل اور عمدہ طریقہ ہے، دیگر کتب میں یہ طریقہ بحث کما حقہ نظر نہیں آتا، جیسا کہ ہر آدمی دیکھ سکتا ہے۔

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ طحاوی میں ضعیف اور ساقط رجال بھی ہیں، اس لیے اس کو مرجوح ہونا چاہیے۔

جواب: تو جواب یہ ہوگا کہ سنن مذکورہ بالا میں بھی یہ بات ہے، ضعیف تو ضعیف، کہا گیا ہے کہ موضوع اور باطل احادیث بھی ان میں موجود ہیں، ضعیف تو بہت ہیں، باقی رہیں سنن دار قطنی یا دارمی یا ان جیسی کتابیں تو طحاوی کے قریب نہیں آسکتیں، نہ اس کے ساتھ میدان مقابلہ میں اتر سکتی ہیں، نہ ترازو کے مقابل پلہ میں رکھی جاسکتی ہیں۔

اس کتاب کا رجحان بہت سے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک چھپا ہوا خزانہ اور نگاہوں سے مستور کان ہے، کوئی آدمی اس کو نہیں ملا جو اس کے عجائبات اور غرائب کو نکال کر بر سر عام لائے، جسکی وجہ سے یہ خزانہ نگاہوں سے او جھل رہا، اور قریب تھا کہ ہمیشہ کے لیے نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ متاخرین کی سمجھ قاصر ہے، انہوں نے اس کتاب کو چھوڑے رکھا اور ایسی چیزوں میں مشغول رہے جس میں فائدہ زیادہ نہیں تھا، ساتھ ساتھ متعصب مخالفین کا غلبہ رہا، جنہوں نے اس کتاب کے آثار ونشانات کے مٹانے ہی کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ حق کو حق ثابت کرتے ہیں اور باطل کو مٹاتے ہیں، اس انتظام کے تحت ایسے رجال پیدا کئے جنہوں نے اس کا حق ادا کیا اور اس کی چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کیا، اس کی خوبیاں عیاں کیں، تب پتہ چلا کہ اس کتاب کو اس جیسی دیگر کتابوں پر تفوق اور برتری حاصل ہے۔ **اھ کلام العینی۔**

(از مقدمہ امانی الاحبار صفحہ ۶۳)

ابن حزم نے کتاب طحاوی کو موطا امام مالک پر ترجیح دی ہے، انہوں نے اپنی کتاب مراتب الدیانۃ میں کتب حدیث کی یہ ترتیب بتائی ہے:۔

سب سے پہلے صحیحین ہیں، پھر صحیح ابن السکن، المنتقیٰ لابن الجار وداود
المنتقی لقاسم ابن اصبغ، پھر کتاب ابوداؤد، کتاب نسائی، مصنف قام بن اصبغ،
مصنف طحاوی اور احمد، بزار، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، اسحاق بن
راہویہ، ابو داؤد طیالسی، حسن بن سفیان وغیرہم کی کتابیں جن میں صرف
آنحضرت ﷺ کا کلام ہے، پھر وہ کتابیں جن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ
دوسرے لوگوں کا بھی کلام ہے، پھر جن میں صحیح حدیثیں ہیں وہ اعلیٰ ہیں جیسے
مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف بقی بن مخلد، کتاب محمد بن نصر
مروزی اور کتاب ابن المنذر، پھر مصنف حماد بن سلمہ، مصنف سعید بن منصور،
مصنف وکیع، مصنف زریابی، موطامالک، موطاابن ابی ذئب...... الخ۔

ابن حزم کا یہ کلام سیوطی نے تدریب الراوی میں ملخصاً ذکر کیاہے، امام ذہبی
نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں ابن حزم کا اسی طرح کاکلام ذکر کیاہے، نیز اپنی کتاب سیر
النبلاء میں بھی، ابن حزم کے کلام میں ابن ماجہ اور ترمذی کاتذکرہ نہیں، کیونکہ ابن
حزم نے ان دونوں کتابوں کو دیکھا نہیں، نہ ان کے زمانہ تک یہ دونوں کتابیں
اندلس میں داخل ہوئی تھیں، ان کے انتقال کے بعد داخل ہوئیں، ذہبی کہتے ہیں
کہ ابن حزم نے موطا کے ساتھ انصاف نہیں کیا، اس کا رتبہ یہ ہے کہ صحیحین کے
بعد فوراً سنن ابوداؤد اور نسائی کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

لیکن ابن حزم نے یہ ادب ملحوظ رکھا کہ جو کتابیں صرف احادیث نبویہ پر
مشتمل تھیں ان کو مقدم کیا، ورنہ موطا کا ایک مقام ہے، دلوں میں اس کی ہیبت
ہے جس کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ اھ کلام الذہبی۔ (از مقدمہ امانی صفحہ ۶۴)

علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ ابوداؤد کے قریب میرے خیال میں امام
طحاوی کی شرح معانی الآثار ہے، اس کے تمام رواۃ معروف ومشہور ہیں، اگرچہ بعض

متکلم فیہ بھی ہیں، پھر ترمذی، ترمذی میں اگرچہ غریب اور ضعیف حدیثیں بھی ہیں لیکن وہ ہر جگہ اس کو بتادیتے ہیں، اور اگرچہ اس میں حدیثیں کم ہیں لیکن فی الباب کہہ کر بہت سی حدیثوں کی طرف اشارہ کردیتے ہیں، اس کے بعد ابن ماجہ اس لیے کہ اس میں تقریباً بیس احادیث ایسی ہیں جن پر موضوع ہونے کا الزام ہے۔

(فیض الباری جلد ۱ صفحہ [illegible])

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ان تمام نقول کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:
کتاب معانی الآثار کا درجہ سنن اربعہ سے کم نہیں بلکہ اکثر یا تمام پر اس کو ترجیح حاصل ہے۔ (مقدمہ امانی صفحہ: ٦٤)

علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں شرح معانی الآثار للطحاوی کی سماعت پر بھی ابھارا ہے، صحیحین اور سنن کے اہتمام کے ساتھ لکھا ہے کہ اسی طرح جو کتابیں ابواب کے طریقہ پر لکھی گئی ہیں ان میں سے ان کا بھی اہتمام کرو، صحیح ابن خزیمہ اور یہ پوری نہیں ملتی[1] صحیح ابن حبان، صحیح ابو عوانہ، مسند دارمی، سنن و مسند امام شافعی، سنن کبریٰ نسائی، اسلئے کہ اس میں زائد حدیثیں ہیں، سنن ابن ماجہ، سنن دار قطنی اور شرح معانی الآثار للطحاوی۔ (فتح المغیث جلد: ۲ صفحہ: ۳۳۳)

خصوصیات

مندرجہ ذیل خصوصیات مولانا محمد یوسف کاندھلوی نے بیان فرمائی ہیں:
۱۔ بہت سی ایسی حدیثیں اس کتاب میں موجود ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں ۔

۲۔ احادیث کی بہت سی سندیں بیان کرتے ہیں جن سے مندرجہ ذیل فوائد

---

[1] شیخ دکتور مصطفیٰ اعظمی مدظلہ رحمہ اللہ کی تحقیق سے جو شائع ہوئی غالباً وہ مکمل ہے، اس کا استدراک بھی شائع ہوا ہے۔ فضل

حاصل ہوتے ہیں:

فائدہ ۱: تعدادِ اسناد سے حدیث میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ ۲: دوسری کتابوں میں حدیث ضعیف سند سے مروی ہوتی ہے اور طحاوی میں سند قوی سے یا اور کتابوں میں ایک طریق سے تو طحاوی میں کئی طرق سے، اور تعدد طرق سے محدث کو اہم نکتے اور فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

فائدہ ۳: دوسری کتب میں حدیث تدلیس کی صورت میں بغیر سماع کی تصریح کے ہوتی ہے اور طحاوی میں اس مقام پر سماع کی تصریح ہوتی ہے۔

فائدہ ۴: دوسری کتب میں حدیث مختلط راوی سے مروی ہوتی ہے، اور اس کا شاگرد اختلاط کے بعد کا ہوتا ہے تو طحاوی میں اسی مختلط راوی کے کسی ایسے شاگرد سے حدیث مروی ہوتی ہے جس نے اختلاط سے قبل حدیث سنی ہے اس طرح وہ معتبر ہو جاتی ہے۔

فائدہ ۵: دوسری کتب میں حدیث مرسل یا منقطع یا موقوف ہوتی ہے تو طحاوی میں متصل یا مرفوع ہوتی ہے۔

فائدہ ۶: غیر منسوب راوی کی نسبت مذکور ہوتی ہے، کبھی مبہم کی تعیین ہوتی ہے، کبھی مشتبہ کی تمیز ہوتی ہے، ایسے ہی مجمل کی تفسیر، سبب کا بیان، راوی کا شک اور اضطراب، سند میں راوی کی زیادتی، راوی کا صحابی سے دو مرتبہ حدیث کا سننا ایک مرتبہ موقوفاً دوسری مرتبہ مرسلاً وغیر ذالک فوائد جو تعددِ طرق سے حاصل ہوتے ہیں۔

۳۔ متون کے لحاظ سے فوائد، مثلاً طحاوی میں متن طویل ہے جبکہ دوسری کتب میں مختصر ہے، یا طحاوی میں مفسر ہے جب کہ دوسری کتب میں مجمل ہے، یا طحاوی میں مقید اور دوسری کتب میں مطلق ہے۔

۴۔اس کتاب میں صحابہ، تابعین اور بعد کے بہت سے ائمہ کے اقوال و فتاوی درج ہیں جو دوسرے معاصرین کی کتابوں میں نہیں۔

۵۔ اس کتاب میں احادیث ورجال کے بارے میں بہت سے ائمہ کے اقوال مذکور ہیں جیسے حدیث کی تصحیح یا ترجیح یا تضعیف۔

۶۔ ابواب فقہیہ قائم کر کے ان کے استنباط کے لیے حدیث لاتے ہیں اور ایسے نادر انداز میں استدلال کرتے ہیں کہ شاید و باید کسی کی توجہ اس طرف جائے ۔

۷۔ طحاوی نے اپنی کتاب ابواب فقیہہ کی ترتیب پر مرتب فرمائی ہے، اور باب کے مناسب معنی کے استخراج میں بڑی باریک بینی دکھائی ہے، بعض دفعہ ایسی احادیث سے باب کے مناسب معنی کا استخراج کیا کہ ذہن نہیں جاتا کہ اس باب میں یہ حدیث آسکتی ہے، اور اس حدیث کو اس باب سے کوئی مناسبت ہے، مثلاً باب المیاہ میں المسلم لا ینجس اور (الأرض لا تنجس اور) بول اعرابی کی حدیث ذکر کی، فجر کے وقت کے باب میں قراءت فی الفجر کی احادیث لائے، صلوۃ الوسطیٰ کے باب میں عشاء، مغرب، جمعہ اور فجر کی نمازوں سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں وعید کی حدیثوں کو لائے، قنوت کے متعلق آثار بھی لائے، مغرب کے وقت کے باب میں صلوٰۃ المفترض خلف المتنفل کی احادیث لائے،باب التکبیر عند السجود والرکوع ورفع الیدین میں أولو الأحلام والنہی کی تقدیم کی احادیث لائے،باب أذکار الرکوع والسجود میں تشہد وسلام کی احادیث لائے، باب الشک فی الصلوٰۃ میں اغماء فی شعبان ورمضان کی احادیث لائے یعنی ۲۹ دن کے بعد چاند نظر نہ آنے کی احادیث،اس طرح کی مثالیں اس کتاب میں بہت ہیں۔ (از مقدمہ امانی صفحہ: ۶۴)

(قولہ: مغرب وجمعہ۔ مغرب میں نظر ہے، شاید ظہر صحیح ہو۔ ۱۲ فضل)

۸۔ کسی باب میں بظاہر متعارض روایات ذکر کرنے پھر ان میں سے کسی ایک کو ناسخ یا راجح ثابت کرنے کے بعد صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ اور اقوال سے راجح کی تائید پیش کرتے ہیں جس سے اطمینان ہوتا ہے کہ باب میں وہی مرفوع حدیث قابل عمل ہونی چاہیے جس پر سلف نے عمل کیا۔

۹۔ بہت سے ابواب میں ایک صورت کو ترجیح دینے اور اختیار کرنے کے بعد اس کی تائید نظر سے پیش کرتے ہیں، یہ نظر تائید کے لیے ہوتی ہے اور بعض جگہوں پر طحاوی کی تدقیق اور تنظیر ایسی ہوتی ہے کہ سامع اچھل جاتا ہے، اور بہت ہی محظوظ ہوتا ہے۔

۱۰۔ باب میں مختلف اقوال ہوتے ہیں تو قوم قوم کہہ کر ہر قوم کے دلائل پیش کردیتے ہیں، قوم کی تعیین نہیں کرتے، باوجودیکہ ان کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ کس قوم کا یہ قول ہے، لیکن شاید نام نہ لینے کی وجہ یہ ہو کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور کسی کا نام لے کر اس کی تردید نہ ہو، طحاوی کی اس موضوع پر تصنیف ہے بنام اختلاف العلماء اس لئے ان کو علم تو ضرور ہوگا لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے نام نہیں لیتے، ہو سکتا ہے کہ وہ وجہ ہو جو ہم نے ذکر کی اور ہو سکتا ہے کوئی اور وجہ ہو واللہ اعلم، لیکن جس قول کو ترجیح دیتے ہیں اکثر بتادیتے ہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا قول ہے یا صرف امام صاحب کا یا صرف صاحبین کا قول ہے یا ان تینوں کے خلاف ہے۔

تلك عشرة كاملةٌ

طحاوی شریف کے حواشی وشروح

اورتذکرہ رجال وتلخیصات وتصحیحات

علامہ کوثری فرماتے ہیں: امام طحاوی کی کتاب "معانی الآثار" اختلافی مسائل میں دلائل کے درمیان محاکمہ میں بہت مفید ہے، اس لئے کہ وہ ہر فریق کے موافق حدیثیں سند کے ساتھ ذکر کردیتے ہیں اور سند ومتن نیز روایت ودرایت کے اعتبار سے بحث ونظر کے بعد ایسا نتیجہ نکالتے ہیں جس پر ایک مُنصف محقق کو جو تقلید اعمٰی سے بری ہو اطمینان ہو جاتا ہے، کسی کو فقیہ بنانے اور تفقہ کے طریقہ کی تعلیم دینے نیز فقہ کی صلاحیت اور استعداد کے بڑھانے میں اس کتاب کی نظیر کوئی کتاب نہیں، خواہ اعراض کرنے والے اس کتاب سے جتنا بھی اعراض کریں۔

اہل علم نے اس کتاب کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی ہے، اس کو روایت کیا، اس کا درس دیا، اس کی شرحیں لکھیں اور اس کا اختصار کیا۔ (الحاوی صفحہ: ۳۱)

اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

شروح

شروح کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ حافظ ابو محمد مَنبجی کی شرح، ان کا نام علی بن زکریا بن مسعود انصاری ہے ۶۹۸ھ کے لگ بھگ انتقال ہوا، ان کی ایک تصنیف کا نام "اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب" بھی ہے، ان کی شرح طحاوی کا کچھ حصہ مکتبہ ایا صوفیا[۱] آستانہ

---

[۱] ایا صوفیا میں مجھے کوئی مکتبہ نہیں ملا، شاید بہت سے مکتبے مکتبہ سلیمانیہ میں محفوظ کردیئے گئے، ۱۹۹۵ء میں استنبول کا ہمارا سفر ہوا تھا، مکتبہ کو سرسری دیکھنے کا اتفاق ہوا، جماعت تبلیغ کے احباب نے رہنمائی کی ۱۲ فضل الرحمٰن اعظمی

میں موجود ہے،(المذهب الحنفی لأحمد النقیب ۲/۵۹۷ میں ان کا سنہ وفات ۶۸۶ بتایا ہے،اور دیکھئے هدیة العارفین ۱/ ۳۱۷)۔

۲۔ حافظ عبد القادر قرشی متوفی ۷۷۵ھ کی شرح جس کا نام الحاوی فی تخریج أحادیث معانی الآثار للطحاوی ہے، یہ شرح انہوں نے اپنے استاذ علامہ قاضی علاء الدین ماردینی صاحب الجوہر النقی کے حکم پر لکھی تھی جسکی تفصیل گزر چکی ہے۔(صفحہ:۵۲)،اس شرح کا ایک حصہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔ (قرشی کی دوسری تصنیف الجواهر المضیة بہت مشہور ہے)

اس شرح میں انہوں نے طحاوی کی احادیث کو کتب ستہ اور مصنف ابن ابی شیبہ نیز دیگر حفاظ حدیث کی طرف منسوب کیا ہے اور رجال سند پر کلام کیا ہے،اس طرح یہ شرح متن کے بجائے اسناد کی ہے، لیکن بہت عظیم خدمت ہے۔

۳۔نخب الأفكار فی شرح معانی الآثار، یہ علامہ حافظ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ کی شرح ہے، عینی نے شرح معانی الآثار کا مدرسہ مؤیدیہ میں بہت سالوں تک درس دیا، بادشاہ مؤید کو علم سے بہت مناسبت تھی، علماء سے علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے،انہوں نے اس کتاب کے لیے ایک خاص مسند مقرر کی تھی جیسے دوسری اہم کتب حدیث کے لئے بھی مقرر کی تھی، طحاوی کے لیے علامہ عینی کو مقرر کیا تھا، چنانچہ ایک لمبی مدت تک اسکا درس دیا،اور دو عظیم شرحیں تیار فرمائیں،ان میں سے ایک یہی نخب الأفكار فی شرح معانی الآثار ہے،اس شرح میں رجال سے بھی بحث کی ہے جیسے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں، یہ کتاب دار الکتب المصریہ میں آٹھ جلدوں میں مصنف کے قلم سے لکھی ہوئی موجود ہے،اس میں کچھ سوراخ ہو گئے ہیں، اس کے کچھ اجزاء احمد ثالث کے مکتبہ میں طوبقبو میں اور کچھ حصہ عموجہ حسین پاشا کے مکتبہ آستانہ میں بھی ہے۔

٤- مباني الأخبار فى شرح معاني الآثار: یہ بھی عینی کی شرح ہے، یہ بھی دار الکتب المصریہ میں مؤلف کے قلم سے چھ جلدوں میں محفوظ ہے، اس شرح میں رجال پر کلام نہیں ہے، اس کے لیے عینی نے ایک مستقل کتاب لکھی، اس کا نام مغاني الأخيار فى رجال معاني الآثار ہے، یہ دو جلدوں میں ہے، لیکن دار الکتب المصریہ کے نسخہ میں کچھ کمی ہے، اس کی تلافی ازہر شریف میں رواق اتراک کے مکتبہ سے ہوسکتی ہے، اس طرح علامہ عینی کی خدمت طحاوی کے سلسلہ میں بخاری کی خدمت سے کم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ان عظیم خدمات پر بھرپور اجر عطا فرمائے، خصوصاً احادیث احکام کی تحقیق پر۔ (الحاوی صفحہ: ۳۳)

مولانا محمد یوسف کاندھلوی لکھتے ہیں کہ میرے پاس نخب الافکار کا اکثر حصہ موجود ہے، مصر سے مل گیا ہے، صرف ڈیڑھ جلد نہیں ہے، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی ہے، اسی طرح مبانی الاخبار کی دو جلدیں بھی مجھے مل گئی ہیں، نویں جلد عینی کے قلم سے لکھی ہوئی ہے، میں نے خریدی ہے، اس جلد میں باب أكل لحم الفرس تک پہنچے ہیں اس کے بعد تین یا پانچ جلدیں ابھی باقی ہوں گی۔ واللہ اعلم

پانچویں جلد میں نے حیدر آباد سے نقل کروائی ہے، یہ جلد باب القراءة فى الظهر والعصر سے باب التطوع بعد الوتر تک ہے، اور اس جلد کی تحریر سے رجب ۸۰۸ھ کو فارغ ہوئے۔ (مقدمہ امانی صفحہ: ٦٥)

کچھ جدید معلومات

شیخ صالح یوسف معتوق نے بدر الدين العيني وأثره فى علم الحديث کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے جس کو جامعہ ام القری مکہ مکرمہ نے نظر ثانی کے بعد شائع کیا، اسکا ترجمہ و تلخیص مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی مدظلہ (رحمہ اللہ)

رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات ہند نے شائع کیا ہے، اس میں عینی کی ان دونوں شرحوں کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں وہ مختصراً یوں ہے۔

مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار

اس کتاب کے چھ اجزاء دارالکتب المصریہ میں نمبر ۴۹۲ حدیث پر مؤلف کے قلم سے لکھے ہوئے موجود ہیں، اور پانچ اجزاء استنبول سے نقل شدہ نمبر ۲۹۸۸۸ پر ہیں اور عینی کے بیان کے مطابق کل گیارہ اجزاء پر مکمل ہوئی ہے، اور اس کی تالیف سے سنہ ۸۱۰ھ میں فراغت ہوئی۔

عینی سے قبل محمد بن محمد باہلی (متوفی ۳۱۴ھ)[1] نے اس کی شرح لکھی جس کا نام تصحیح معانی الآثار رکھا، اسی طرح عبد القادر قرشی (متوفی ۷۷۵ھ) نے بھی اس کی شرح الحاوی فی بیان آثار الطحاوی کے نام سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں نمبر ۱۹۵ حدیث پر موجود ہے۔ (بدر الدین العینی وأثرہ فی علم الحدیث ص ۱۹۳)

عینی نے پھر مبانی الأخبار کا اختصار نخب الأفکار فی تنقیح مبانی الأخبار کے نام سے کیا۔

نخب الأفکار فی تنقیح مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار

یہ آٹھ جلدوں میں مکمل دار الکتب المصریہ میں حدیث نمبر ۵۲۶ پر موجود ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے (۸۱۹ھ) میں مصنف کو فراغت ملی، اس میں رجال

---

[1] کذا فی الأصل ولعلہ خطأ ۱۲ فضل

کا تذکرہ نہیں، رجال پر الگ ایک جلد مرتب فرمائی، جیسا کہ سخاوی نے بھی عینی کے احوال میں تذکرہ کیا ہے، اور اس علیحدہ جلد کو نخب الافکار کے مقدمہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ (صفحہ: ۱۵۳ علامہ عینی کا علم حدیث میں نقش دام) (بدر الدین العینی وأثره فی علم الحدیث ص ۲۰۶)

نخب الأفکار "مبانی الأخبار" کا اختصار ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، دونوں کا اسلوب تحریر اور منہج بحث یکساں ہے، البتہ اس کتاب میں بعض مواقع پر کچھ اضافے ہیں، اور اس کے حاشیہ پر عینی کے قلم سے کچھ تعلیقات ہیں، اصل اور شرح میں امتیاز کے لیے مبانی الاخبار کی طرح ص اور ش کا رمز مقرر کیا ہے۔

اس کتاب میں بھی عینی کی فن حدیث میں مہارت صاف معلوم ہو رہی ہے، بعض جگہوں پر بیاض بھی ہے اگر کسی کو مبانی الاخبار کا علم نہ ہو اور وہ صرف نخب الافکار کا مطالعہ کرے گا تو اس کو محسوس ہوگا کہ یہ مستقل تصنیف ہے، یہ اندازہ کرنا مشکل ہوگا کہ کسی سابق کتاب کا اختصار ہے، حالانکہ مبانی الاخبار گیارہ جلدوں میں ہے، اور نخب الافکار آٹھ جلدوں میں، اس کتاب کے جز اول کا پہلا صفحہ غائب ہے۔ (علامہ عینی کا علم حدیث میں نقش دوام صفحہ: ۱۵۶)

تنبیہ: علامہ کوثری اور شیخ صالح یوسف معتوق کے بیان میں جو اختلاف ہے وہ ناظرین سے پوشیدہ نہیں، کوثری کے بیان سے معلوم ہوا کہ مبانی الاخبار میں رجال پر کلام نہیں، نخب الافکار میں ہے جبکہ شیخ معتوق کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے، نیز رجال پر مستقل جو کتاب ہے یعنی مغانی الاخیار بقول کوثری وہ دو جلدوں میں ہے اور بقول شیخ معتوق ایک جلد میں، اسی طرح نخب الافکار کے پورے نام میں بھی اختلاف ہے، شیخ معتوق نے جو نام بتایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نخب الافکار خلاصہ اور تنقیح ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۵۔تصحیح معانی الآثار: محمد بن محمد باہلی مالکی کی شرح ہے،(انکی وفات ۳۱۴ھ میں ہوئی) کما مر، یہ کتاب بینکوک میں محفوظ ہے جیسا کہ بروکلمان نے ذکر کیا ہے، علامہ کوثری کہتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے نہیں دیکھی۔

(الحاوی ص ۳۳)

۶۔ أماني الأحبار: یہ چار جلدوں میں مولانا محمد یوسف کاندھلوی ابن مولانا محمد الیاس رحمہاللہ کی شرح ہے، چوتھی جلد باب الوتر پر ختم ہوئی ہے، شروع میں بہت مفصل مقدمہ ہے، اس کا بہت سا حصہ **الحاوی فی سیرۃ الطحاوی للکوثری** سے ماخوذ ہے، لیکن مولانا کاندھلویؒ نے خود بھی محنت کر کے بہت سی قابل قدر چیزیں بڑھائی ہیں: امام طحاوی کے اساتذہ کے نام، امام طحاوی کا رجال پر کلام وغیرہ۔

مولانا کاندھلویؒ رجال پر بھی کلام کرتے ہیں، اور متن حدیث کی مکمل شرح کرتے ہیں، مختلف فیہ مسائل میں بحث تفصیل سے کرتے ہیں، احناف کے دلائل کے استیعاب کی کوشش کرتے ہیں، طحاوی کی ایسی جامع اور مفصل شرح اس سے قبل نہیں لکھی گئی ہوگی، لیکن افسوس ہے کہ ابھی صرف باب الوتر تک پہنچے تھے جو کتاب الصلوٰۃ کا نصف سے کچھ زائد حصہ ہے کہ زندگی وفا نہ کر سکی، اس طرح یہ شرح تقریباً جلد اول کے ایک ثلث کی ہے، کاش مکمل ہوگئی ہوتی۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کم حسرات فی بطون المقابر

مولانا کی وفات ۱۳۸۴ھ میں ہوئی۔

طحاوی کی شرح کی ذمہ داری ابھی احناف کے سر پر باقی ہے، **لعل اللہ یحدث بعد ذالک أمرا**، حضرت شیخ محمد زکریاؒ نے امانی الاحبار جلد رابع کے اخیر میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کوئی عالم اس شرح کو مکمل کر دے۔

رجال طحاوی

جیسا کہ معلوم ہوا کہ عینی نے رجال طحاوی پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے ان سے قبل عبد القادر قرشی نے بھی رجال طحاوی پر اپنی شرح یا تخریج طحاوی میں جس کا نام الحاوی فی تخریج أحادیث معانی الآثار للطحاوی بتایا گیا ہے رجال پر کلام کیا تھا۔

۱۔ مغانی الأخیار فی رجال معانی الآثار: یہ عینی کی تصنیف ہے، بقول کوثری دو جلدوں میں ہے، اور بقول شیخ صالح معتوق ایک جلد میں (واللہ اعلم)، اس وقت اسعد محمد الطیب کی تحقیق سے مکہ مکرمہ سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ کشف الأستار من رجال معانی الآثار: یہ عینی کی مذکورہ بالا کتاب کا اختصار ہے، اس کے مؤلف مولانا ابو التراب رشد اللہ شاہ سندھی ہیں، انہوں نے مدینہ منورہ میں عینی کی مغانی الاخیار تین جلدوں میں پائی جس کا ان کو بہت زمانہ سے شوق تھا، وقت کی قلت کی وجہ سے پوی کتاب نہیں نقل کر سکے، رجال کے تعارف کے لیے جتنے حصہ کی ضرورت سمجھی نقل کر لیا، پھر وطن جا کر اسکو حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا، حافظ کی تقریب وتہذیب کی باتیں بھی ان رواۃ کے بارے میں بڑھائیں جن کا ذکر ان کتابوں میں تھا، یہ کتاب پہلے الگ سے شائع ہوئی تھی، اب طحاوی کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

۳۔ الایثار فی رجال معانی الآثار: یہ حافظ زین قاسم بن قطلو بغا کی تصنیف ہے، رسالہ مستطرفہ میں اس کا ذکر ہے، سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ میں لکھا ہے کہ زین قاسم حنفی نے طحاوی، مؤطا امام محمد، آثار امام محمد اور مسند ابو حنیفہ

لابن المقریؒ [1] کے رجال پر کتاب لکھی ہے [2]

(مقدمہ امانی صفحہ: ۶۵، ماتمس الیہ الحاجۃ للنعمانی صفحہ: ۳۰)

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب اتحاف المھرۃ باطراف العشرۃ میں طحاوی کے اطراف کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ (رحمہ اللہ) نے لکھا ہے کہ میں نے اس کا ایک پرانا نسخہ خزانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں دیکھا ہے، اس کتاب کا دوسرا نسخہ مکتبہ پیر جھنڈو حیدرآباد پاکستان میں بھی ہے۔

(ماتمس الیہ الحاجۃ صفحہ: ۳۰)

۴۔ تراجم الأحبار من رجال شرح معانی الآثار: یہ مولانا حکیم ایوب صاحب سہارنپوریؒ کی تصنیف ہے، ضخیم ہے چار جلدوں میں، حضرت شیخ محمد

---

[1] یہ حافظ محمد بن ابراہیم بن علی بن عاصم بن زاذان اصفہانی ہیں جو ابن المقریؒ سے مشہور تھے، ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے، اور ۳۸۱ھ میں انتقال ہوا ۹۶ سال کی عمر میں، ذہبی لکھتے ہیں:
الشَّيْخُ الحَافِظُ الجوَّال الصَّدُوْقُ، مُسْنِدُ الوَقْتِ أَبُو بَكْرٍ صَاحِبُ "المُعْجَمِ" وَ الرِّحلَةِ الوَاسِعَةِ الطَّحَاوِي وَخَلْقٍ بِمِصْرَ وصنَّف مُسْنَداً للإِمَامِ أَبِي حَنِيْفَةَ، قال ابنَ المُقْرِئ: مَذْهَبِي فِي الأُصُولِ مَذْهَبُ أَحْمَدَ ابنِ حَنْبَلٍ وَأَبِي زُرْعَةَ الرَّازِيِّ. (سير أعلام النبلاء ١٦ / ٣٩٨)

[2] اسی زمانہ مسند امام اعظم ایک اور محدث نے بھی لکھی جن کو مقریؒ کہتے ہیں، وہ ہیں ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشیخ العالم البغدادی المقریؒ الاخباری المورخ، ۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے، ۳۸۰ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۶ / ۳۹۶)

یہ ان ۱۵ مسانید امام اعظم میں سے ہے جن کو خوارزمی نے جامع مسانید امام اعظم میں شامل کیا۔ دیکھئے سیرت امام اعظم (مولانا فضل الرحمن) اعظمی ص ۲۶۱)

زکریاؒ کے حکم سے یہ کتاب تیار کی ہے، حکیم صاحب نے شرح معانی الآثار پر مفید حاشیہ بھی لکھا ہے جو ملتان سے چھپا ہے۔ (العناقید الغالیہ صفحہ: ۲۷۳)

۵۔ **الحاوی فی رجال الطحاوی:** محدث جلیل علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کی تالیف ہے جس کا کچھ حصہ علامہ انور شاہ کشمیری نے دیکھ کر تعجب ظاہر فرمایا، ۱۳۴۸ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے، اب تک مخطوطہ ہے۔

(ماہنامہ ترجمان الاسلام صفحہ ۲۰ وحیات ابوالمآثر صفحہ: ۱۷۸)

تلخیصات

مشکل الآثار کی طرح شرح معانی الآثار کی بھی تلخیص کی گئی ہے:

۱۔ ایک تلخیص حافظ المغرب ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کی ہے، اس خدمت کی وجہ سے ان کے دل میں امام طحاوی کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا، اور اپنی کتابوں میں طحاوی کی بہت سی باتیں نقل کرتے ہیں خاص طور سے تمہید میں۔

۲۔ دوسری تلخیص حافظ جمال الدین زیلعی متوفی ۷۶۲ھ صاحب نصب الرایہ نے کی، ان کی تلخیص مکتبہ رواق الاتراک اور مکتبہ کوپریلی آستانہ میں موجود ہے، اس کی شرح بھی ابو محمد المنبجی صاحب اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب نے کی ہے جو مکتبہ اُیا صوفیا آستانہ میں موجود ہے۔ (الحاوی صفحہ: ۳۳)

۳۔ تیسری تلخیص ہندوستان میں ہوئی ہے، الگ سے چھپی تھی، پھر طحاوی کے ساتھ بھی بعض مطابع میں شائع ہوئی ہے، اس کے مصنف کا نام مولانا مسلم صاحب ہے۔

۴۔ مولانا اسعد اللہ صاحب کی تقریر طحاوی **(الحاوی فی تقریر الطحاوی)**

کے نام سے شائع ہوئی ہے، اسکو اردو میں ایک تلخیص سمجھنا چاہیے۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شرح معانی الآثار سے متعلق یہ کتاب ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، موتمر المصنّفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور پاکستان سے شائع ہوئی ہے، اس کے مرتب قاری سعید الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی ہیں۔

اس میں کتاب طحاوی کے مشکلات مقامات کا حل ہے، جب یہ کتاب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل درس ہوئی اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ[1] متوفی ۱۳۸۵ھ صدر مدرس مدرسہ مذکورہ کے سپرد ہوئی تو موصوف کو جہاں اشکال ہوتا اسکو لکھ کر مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ کے پاس بھیجتے، حضرت شیخ کے جواب کے بعد یہ تحریر یکے بعد دیگرے حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب کے پاس جاتی، یہ تمام حضرات اپنی رائے گرامی لکھتے، یہ کتاب انہی تحریرات کا مجموعہ ہے، اس میں ۹۸ مقامات کا حل یا توضیح و تصحیح ہے، بہت مفید کتاب ہے۔

تصحيح الأغلاط الكتابية الواقعة فى النسخ الطحاوية

یہ طحاوی سے متعلق دو مختصر جلدوں میں حکیم ایوب صاحب سہارنپوری کی ایک تصنیف ہے، جس میں طحاوی کی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے، رجال سند اور متن حدیث دونوں میں جو غلطیاں تھیں ان کو درست کیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس کتاب سے فائدہ اُٹھا کر طحاوی شریف کو صحیح کر کے شائع کیا جائے۔

ملتان سے طحاوی شریف حکیم ایوب صاحب کے حاشیہ کے ساتھ شائع ہو گئی ہے، اس میں یہ تصحیحات کر دی گئی ہیں، ساتھ ہی قوم کی تعیین بھی شرح عینی

---

[1] انہی کو کیمل پوری بھی کہتے ہیں، انکی سوانح حیات پر تجلیات رحمانی ضخیم کتاب شائع ہوئی ہے۔

وغیرہ کے حوالہ سے کردی گئی ہے، ہمارے خیال میں طحاوی شریف کا سب سے صحیح نسخہ یہی ہے۔ واللہ اعلم

شرح معانی الآثار کے امام طحاویؒ

سے روایت کرنے والے

امام طحاوی سے شرح معانی الآثار کے نقل کرنے والے متعدد لوگ ہیں۔

علامہ کوثری نے لکھا ہے کہ مشرق کے لوگ شرح معانی الآثار ایک تو حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم المقری حنبلی [1] سے نقل کرتے ہیں جو مسند امام ابو حنیفہ کے مرتب اور معجم مشہور کے مؤلف ہیں (متوفی ۳۸۱ھ کما مر)

دوسرے ابوالفضل محمد بن عمر ترمذی سے نقل کرتے ہیں، ان دونوں نے طحاوی کو امام طحاوی سے روایت کیا ہے۔

اور مغرب کے لوگ ابو القاسم ہشام بن محمد رُعینی سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے امام طحاوی سے سنا ہے، رُعینی ہی مغرب میں **مشکل الآثار للطحاوی** اور **کتاب الاشربۃ للطحاوی** لے گئے تھے۔

شمس الائمہ حلوانی کو طحاوی جس سند سے پہنچی تھی اس میں طحاوی کے شاگرد ابو ابراہیم محمد بن سعد بن ابراہیم یزیدی ہیں۔

(الجواہر المضیۃ جلد: ۲ صفحہ: ۱۰۱ و مقدمہ امانی صفحہ ۲۶)

---

[1] یہ محمد بن ابراہیم بن علی اصفہانی ہیں جو ابن المقریؒ سے مشہور تھے، ۳۸۱ھ میں انتقال ہوا، بڑے مشہور مصنف اور اکابر حافظ میں سے ہیں، امام طحاوی کے شاگرد اور شرح معانی الآثار کے راوی ہیں۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۶ / ۳۹۸)

طحاوی تک ہماری سند

ہماری سند امام طحاوی تک یہ ہے:

مجھ کو مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی (رحمہ اللہ) متوفی ۱۰ رمضان ۱۴۱۲ھ نے اپنی ان تمام مرویات کی اجازت دی جس کی اجازت ان کو مولانا عبد الغفار صاحب اعظمی مئوی سے ملی تھی، اور ان کو حضرت شیخ الدلائل مولانا محمد عبد الحق مہاجر مکی سے، مولانا محمد عبد الحق نے مولانا عبد الغفار صاحب کو تمام کتب حدیث وجوامع، سنن، مسانید وغیرہ کی اجازت دی تھی جیسا کہ رسالہ الاوائل کے آخر میں مذکور ہے۔

شیخ الدلائل کو یہ اجازت مولانا قطب الدین دہلوی مکی (رحمہ اللہ) اور شاہ عبد الغنی دہلوی مدنی وغیرہ سے حاصل تھی، اور ان دونوں کو شاہ محمد اسحاق دہلوی سے، انکو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے، انکو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے انکی سند حصر الشارد، الانتباہ اور الیانع الجنی وغیرہ میں مذکور ہے، رحمهم الله رحمةً واسعةً

خاص طحاوی کے لیے شاہ صاحب کی سند یوں ہے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو شیخ ابو طاہر [1] مدنی سے اور شیخ ابو طاہر کو شیخ نخلی سے اور شیخ نخلی کو شیخ بابلی سے اور ان کو شیخ عبد اللہ محمد نحریری حنفی سے، اور ان کو

[1] شیخ ابو طاہر مدنی کردی، طحاوی کو شیخ عبد اللہ بن سالم بصری سے بھی، وہ بابلی سے الی آخر السند نقل کرتے ہیں، اس کو فادانی نے الفیض الرحمانی میں ذکر کیا ہے، امیر کبیر کے ثبت میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ (دیکھیے العناقید الغالیہ ص: ۱۶۲)

جمال یوسف بن زکریا سے، انکو اپنے والد سے، ان کو ابوالفضل ابن حجر سے، انکو شریف ابو طاہر ابن الکویک سے، ان کو زینب بنت کمال مقدسیہ سے، ان کو محمد بن عبدالہادی سے، ان کو حافظ ابو موسیٰ محمد بن ابی بکر مدینی سے، انکو ابوالفتح اسماعیل بن الفضل بن احمد السراج سے، ان کو ابوالفتح منصور بن الحسین تانی سے، ان کو حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم المقری سے، ان کو امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ سے۔

رحمهم الله رحمةً واسعةً

(از مقدمہ امانی صفحہ: ۶۸)

فضل الرحمٰن اعظمی غفر اللہ لہ ولھم
خادم طلبہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ
۱۸/ ذوقعدہ ۱۴۱۲ھ ۲۱/ مئی ۱۹۹۲ء

نئی کتابت پر نظر ثانی اور تصحیح
۳ / شوال ۱۴۴۱ھ ۲۷/ مئی ۲۰۲۰ء بدھ